کرنسی نوٹ کے مسائل

از

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پیشکش : الرضا پبلیکیشن ۳۷ر میمن واڑہ روڈ، ممبئی ۳

شائع کردہ رضا اکیڈمی

۵۲ر ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک، ممبئی ۹

ماہرین بینکاری کی اہم ضرورت

بلاسود بینکاری کا شرعی طریق کار

كِفْلُ الْفَقِيْهِ الْفَاهِمِ فِي أَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ

وَ

كَاسِرُ السَّفِيْهِ الْوَاهِمِ فِي إِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ

تقریباً ایک صدی پہلے علماء مکہ مکرمہ کے سوالات کا جواب جس میں سود کے بغیر کرنسی نوٹوں پر نفع حاصل کرنے کی شرعی صورتیں بیان کی گئی ہیں،

تصنیف

اعلیٰحضرت امام اہلِ سنت مجدد دین وملت

مولانا شاہ احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بفیض حضور مفتی اعظم علامہ شاہ حضرت محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رضا اکیڈمی

۵۲ ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک، ممبئی ۹

فیکس: ۶۶۶۵۹۲۳۶ فون: ۶۶۳۴۲۱۵۶ _۰۲۲

سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۶۱

نام کتاب ــــــــــــ کِفل الفقیہ الفاہم وکاسر السفیہ الواہم

تصنیف ــــــــــــ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

ترجمہ وتعارف ــــــــــــ مولانا حامد رضا خاں حجۃ الاسلام

پیش لفظ ــــــــــــ مولانا عبدالحکیم شرف قادری

تخریج ــــــــــــ مولانا نذیر احمد و مولانا محمد عمر

کاتب ــــــــــــ حافظ محمد رمضان اطہر چشتیاں روڈ ساہوکہ

زیر نگرانی ــــــــــــ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قادری

تصحیح کتابت ــــــــــــ مولانا ادل شاہ صاحب

اشاعت اول ــــــــــــ ربیع الاول شریف

اشاعت ثانی ــــــــــــ جولائی سنہ ۱۹۹۳ء

ناشر اول ــــــــــــ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ناشر ثانی ــــــــــــ ادارہ افکار حق، بائسی بازار، پورنیہ بہار

ناشر ــــــــــــ رضا اکیڈمی ۲۶، کامبیکر اسٹریٹ بمبئی ۳

سن اشاعت ــــــــــــ ۱۴۱۸ھ سنہ ۱۹۹۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ چند

ہم اہلِ سنت کیلئے یہ بات بڑی شرم کی ہے کہ سیدنا سرکار اعلیٰحضرت امام اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ۶۸ سالہ عمر شریف میں جو سرمایۂ علم و فن چھوڑا تھا، آج ان کے وصال کو ۸۰ سال کا عرصہ گذر چکا ہے اور ہم ان کی خدمات کو دنیا کے سامنے پیش بھی نہ کر سکے۔ ہاں ہمارے اکابر حضور مفتی اعظم، حضرت صدر الشریعہ اور مولانا حسنین رضا خاں ابن استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں، منشی لعل محمد مدراسی، قاضی عبدالوحید فردوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ نے اعلیٰحضرت کی جتنی تصانیف شائع کی ہیں وہ ہمیشہ یاد رہیں گی کیوں کہ ان سے پہلے کسی نے اعلیٰحضرت پر کوئی کام ہی نہیں کیا ہے۔ پھر کافی زمانہ تک خاموشی چھائی رہی اور تصانیفِ اعلیٰحضرت کو شائع کرنے میں ہم اہلِ سنت سست رہے اور ہماری توجہ جلسوں، کانفرنسوں کی طرف زیادہ ہوگئی۔ ابھی چند سالوں سے الحمد للہ پھر بیداری پیدا ہوئی ہے اور تصانیف اعلیٰحضرت کو شائع کرنے کا سلسلہ پھر زور و شور سے شروع ہوگیا ہے ہندوستان اور پاکستان کے بعض ادارے جیسے "المجمع الاسلامی مبارکپور"۔ "جامعہ نظامیہ لاہور" "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی" اور "رضا اکیڈمی مانچسٹر" قابلِ ذکر ہیں۔

رضا اکیڈمی پر سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم کا کرم خاص ہے کہ اس نے اب تک ۱۱۶ کتابیں شائع کر چکی ہے اور اب ۱۰۰ کتابیں وہ بھی صرف اعلیٰحضرت کی شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ انہیں کتابوں میں سے ایک کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ۱۰۰ کتابوں کا جمع کرنا بھی بڑا مسئلہ تھا لیکن نبیرۂ اعلیٰحضرت حضرت مولینا محمد توصیف رضا خاں صاحب، مولانا محمد شرف قادری صاحب لاہور، مولانا محمد شہاب الدین رضوی صاحب، مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب، جناب محمد علی رضوی صاحب وغیرہ نے ہمارا تعاون کیا۔ ان کتابوں کا اجرا ۱۰ شوال ۱۴۱۸ھ کو ممبئی میں ہوگا۔ اس میں رضا اکیڈمی کی جانب سے نائب حضور مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی، بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب مبارکپوری، حضرت علامہ مفتی غلام محمد صاحب ناگپوری، حضرت علامہ ارشد القادری صاحب، اور حضرت علامہ مفتی محمد جلال الدین صاحب امجدی کو ان کی دینی و مذہبی اور مسلک اعلیٰحضرت کی ترویج و اشاعت میں نمایاں خدمات پر "امام احمد رضا ایوارڈ" پیش کیا جائے گا۔

دعا فرمائیں کہ رب تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں ہم اراکینِ رضا اکیڈمی کو مسلکِ اعلیٰحضرت کا سچا و پکا خادم بنائے۔

اسیرِ مفتیِ اعظم
محمد سعید نوری
بانی و سکریٹری جنرل رضا اکیڈمی۔ ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ ہجری

فہرست مضامین

كِفْلُ الْفَقِيهِ الْفَاهِمِ فِي أَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ
۱۳۲۴

و

كَاسِرُ السَّفِيهِ الْوَاهِمِ فِي إِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ
۱۳۲۹

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
پیش لفظ	۷	مسئلہ ۱، نوٹ مال ہے کوئی دستاویز نہیں	۲۹
تعارف	۱۵	مسئلہ ۲، نوٹ پر زکوٰۃ فرض ہے	″
نوٹ کے متعلق سوالات	۱۹	مسئلہ ۳، نوٹ مہر ہو سکتا ہے	″
جواب	۲۰	مسئلہ ۴، نوٹ چرانے پر ہاتھ کٹے گا	۳۱
حقیقتِ نوٹ کا بیان	۲۱	مسئلہ ۵، نوٹ کا تاوان دیا جائے گا	″
نوٹ کا جزئیہ	۲۲	مسئلہ ۶، نوٹ داموں سے بیچنا جائز ہے	″
ردّ اوہام گنگوہی	″	تقویم میں شئ کی حالتِ موجودہ دیکھی جاتی ہے	۳۲
کاغذی نوٹ کی بھاری قیمتوں کا بیان	۲۴	مالیت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ	۳۳
لکھا ہوا کچھ مالیت نہیں	۲۵	چیز ہر جگہ مال سمجھی جائے۔	
مال کی چار قسمیں	۲۶	مصنف کی تحقیق کم سے کم ایک پیسہ ہونا	۳۴
علامہ شامی پر معروضہ	۲۷	ضروری نہیں	
تنویر الابصار پر تطفل	۲۸	تنویر پر تطفل	۳۵

مضامین	صفحہ
آداب المفتی سے متعلق بعض فوائد	۳۵
دلیل نقلی سے فرع قنیہ کا رد	۳۶
دلیل عقلی سے فرع قنیہ کا رد	۳۷
قنیہ کے دیئے ایک توجیہ پیدا کرنی	۴۰
مسئلہ۔ نوٹ قرض دینا جائز ہے	۴۱
مسئلہ، نوٹ قرض دینا اور بدلے میں نوٹ لینا	۴۲
مسئلہ، روپیوں کے بدلے نوٹ قرض بیچنا جائز ہے	"
تضعیف جو علماء نے جامع صغیر سے سمجھی، علامہ شامی نے قاری الہدایہ کی تائید کی، ذخیرہ و بحر پر تطفل	۴۷
ان پر ایک اور تطفل	۴۸
ف: تطفل	"
علامہ شامی پر معروضات	۴۹
ایک معروضہ	۵۰
قاری الہدایہ پر تطفلات	۵۲
مسئلہ، نوٹ میں بدنی جائز ہے	۵۳
پیسوں میں بدنی جائز ہونے کی تحقیق	۵۴
فتح القدیر پر تطفل	۵۵
نوٹ کی بیع کم زیادہ جائز ہے	۵۷
لکھنوی پر پہلا رد	۵۷

مضامین	صفحہ
لکھنوی پر دوسرا رد	۵۸
" تیسرا رد	"
" چوتھا رد جلالت	"
مالیت میں کمی بیشی جائز ہے	۵۹
لکھنوی صاحب کے شبہہ کے تین جواب	"
روپیہ ہزار اشرفیوں کو بیچنا جائز ہے	۶۰
ایک شبہہ پر تقریر	۶۱
شبہہ کا پہلا جواب	۶۲
" دوسرا جواب	"
" تیسرا جواب	۶۳
فتوی ہمیشہ قول امام پر ہے	۶۴
شبہہ کا چوتھا جواب	"
کراہت کے اطلاقات	۶۵
پہلی دلیل مالیت میں زیادتی مکروہ تحریمی نہیں	۶۷
سود سے بچنے کے طریقے	۶۸
دوسرا طریقہ	۶۹
تیسرا طریقہ	"
چوتھا طریقہ	۷۰
فتاوی قاضی خاں پر تطفل	۷۱
پانچواں طریقہ	"
چھٹا طریقہ	"
بیع عینہ صرف مکروہ تنزیہی ہے	۷۲

مضامین	صفحہ
علم حدیث اور علم اصول میں مرسل کی اصطلاحوں کا فرق	۷۳
حدیثِ عینہ کی تحقیق	۷۳
مجتہد کا حدیث پر دلیل بنانا حکمِ صحت ہے	۷۴
سب سے افضل ذریعۂ معاش	۷۵
خرید وفروخت کی کوشش سنت ہے	"
دلیل دوم مالیت میں زیادتی مکروہ نہ ہونے پر مقدار میں کمی بیشی کی چار صورتیں	۷۶
دلیلِ سوم	۷۷
دلیل چہارم	"
دلیل پنجم	"
مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ اور تنزیہی مباح	۷۸
دلیل ششم	۷۹
ایک پیسہ سو کو بیچنا حلال	"
دلیل ہفتم	"
فتح القدیر پر تطفل	۸۰
دلیل ہشتم	"
دلیل نہم	۸۱
دلیل دہم	"
کلامِ شیخ عبدالحلیم صاحب، پہلا جواب	۸۲
" " دوسرا جواب	"
مسلمان پر مسلمان کے چھ حق ہیں	"

مضامین	صفحہ
تیسرا جواب	۸۳
مولوی لکھنوی صاحب پر پانچواں رد	۸۶
مولوی لکھنوی صاحب کے وہم کا ازالہ	۸۷
مسئلہ، دس کا نوٹ بارہ روپیہ ماہوار قسط پر دینا جائز ہے	۹۳
قرض ادا کرتے وقت زیادہ دینا	۹۴
قرض لینے والے کا قرض خواہ سے قرض خرید لینا	۹۴
سود سے بچنے کے لئے حیلہ	۹۵
قرآن وحدیث سے حیلوں کا جواز	۹۷
تمت	۱۰۰
فتویٰ مولانا شاہ محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری	۱۰۱
تصدیقات	۱۰۲
کاسر السفیہ الواہم	۱۰۳
رد سفاہت	۱۰۴
اول	۱۰۵
دوم	۱۰۹
سوم	"
چہارم	۱۱۰
پنجم	"
ششم	۱۱۱

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
ہفتم	۱۱۱	ردِّ وہم	۱۱۹
ہشتم	۱۱۲	لطیفہ جلیلہ	۱۳۱
نہم	۱۱۳	تنبیہ، تسجیل جلیل	۱۳۷
دہم	〃	مولوی صاحب کی کروٹیں	۱۴۰
یازدہم	۱۱۵	مولوی صاحب کی آخری کروٹ	۱۴۸
دوازدہم	۱۱۶	مؤیدات	۱۶۰

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ بلند پایہ کتاب، یگانۂ روزگار عالم، شیخ الاسلام، حامئ سنت، قاطع بدعت، حضرت علامہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی تصنیف ہے۔ امام احمد رضا کا تعلق قندھار (افغانستان) سے تھا۔ پھر آپ کے آبار واجداد ہندوستان کی طرف منتقل ہوکر بریلی میں مقیم ہوگئے۔

امام احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی افغانی حنفی بریلوی ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ میں بریلی کے مقام پر پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد سے حصول علم کرکے کمال حاصل کیا۔ اور بہت سے علوم وفنون میں اپنے دور کے علماء پر برتری حاصل کی۔ ۱۲۸۶ھ میں آپ تحصیلِ علم سے فارغ ہوگئے جب کہ آپ کی عمر قریباً ۱۴ سال تھی۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ نے امام العارفین قدوۃ السالکین سید آل رسول حسینی مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے دست حق پرست پر شرف بیعت وخلافت حاصل کیا۔ اور تمام سلاسلِ تصوف اور حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اجازت عامہ سے مشرف ہوئے۔ آپ نے صرف ایک ماہ (رمضان المبارک) میں مکمل قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔

امام اہل سنت نے ۱۲۹۶ھ میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ حرمین طیبین کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اور وہاں کے مقتدر علمائے کرام مثلاً علامہ سیّد احمد زینی دحلان شافعی مکّی، شیخ عبدالرحمٰن سراج مفتیٔ احناف مکّہ مکرّمہ اور شیخ حسین بن صالح سے سند حدیث حاصل کی۔

دوبارہ ۱۳۲۳ھ میں آپ کو زیارتِ حرمین طیبین کا شرف حاصل ہوا۔ اس موقع پر

علمائے حجاز نے آپ کے اعزاز و اکرام کی خاطر دیدہ و دل فرش راہ کئے اور علوم و معارف میں آپ کو عظیم المرتبت پاتے ہوئے آپ سے حدیث و طریقت کی سندیں حاصل کیں۔

مدینہ منورہ کے علماء کی طرف سے آپ کو جو پذیرائی اور عزت حاصل ہوئی اُس کا نقشہ شیخ محمد کریم مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے مکتوب سے مترشح ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"میں کئی سالوں سے مدینہ طیبہ میں مقیم ہوں۔ یہاں ہندوستان سے ہزاروں علماء آتے ہیں جن میں نہایت متقی اور پرہیزگار لوگ بھی ہیں۔ میں انہیں شہر کی گلیوں میں بھرتا ہوا دیکھتا ہوں لیکن کوئی بھی شہری ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ جبکہ جلیل القدر علماء کو آپ کی طرف لپکتے اور آپ کی عزت افزائی میں جلدی کرتے دیکھتا ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے"۔

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران آپ نے جو کتب فی البدیہہ تحریر فرمائی ہیں ان میں سے ایک "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" ہے۔ یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے جس سے سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس وسیع علم کا پتہ چلتا ہے جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا۔

یہ کتاب ہندوستان اور پاکستان میں بارہا چھپ چکی ہے۔ اور اب مجاہد اسلام فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حسین حلمی حفظہ اللہ تعالےٰ کی کوشش سے ترکی میں بھی شائع ہوگئی ہے۔

آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف ایک ہزار کے لگ بھگ ہیں۔ جن میں سے بارہ جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ ایک نہایت ہی مفید اور اہم تصنیف ہے جسے حوالہ جات، اردو ترجمہ اور جدید ترتیب کے ساتھ "رضا فاؤنڈیشن لاہور" کے زیر اہتمام چھاپا جا رہا ہے۔

آپ نے علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کی "ردالمحتار" کی پانچوں جلد پر حاشیہ بھی رقم فرمایا ہے جس کی پہلی جلد المجمع الاسلامی مبارکپور سے شائع ہوگئی ہے۔ نیز آپ کا ترجمۂ قرآن "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" اردو تراجم میں نہایت عمدہ، فصیح و بلیغ اور سب سے صحیح ترجمہ ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ ایک عرصہ تک مسند تدریس پر فائز رہے۔ اس کے بعد تحقیقات اور فتویٰ نویسی میں عمر بسر کی۔ آپ نے بعض سیاسی اور مذہبی لوگوں کو راہِ حق سے انحراف اور احکام اسلام کی مخالفت کرتے ہوئے دیکھا تو ان کا بھی تعاقب فرمایا۔

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں علم و دانش اور زہد و تقویٰ کا یہ عظیم پیکر فانی دنیا سے کوچ کرکے اپنے خالقِ حقیقی سے واصل ہوا۔ آپ کا وصال بریلی شریف میں ہوا۔ اور وہیں محلہ سوداگران میں آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔

کِفل الفقیہ الفاہم

یہ مبارک رسالہ، جو ہم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ اسے امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے ۱۳۲۴ھ میں مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران ایک دن اور کچھ گھنٹوں میں تحریر فرما کر تاریخی نام "کِفْلُ الْفَقِیہِ الْفَاہِمِ فِی اَحْکَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاہِمِ" سے موسوم فرمایا اس کا پس منظر یہ ہے کہ حنفی امام شیخ عبداللہ میرداد بن شیخ الخطباء شیخ احمد ابوالخیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے کرنسی نوٹ سے متعلق بارہ سوالات آپ کی خدمت میں پیش کئے اس وقت وہاں نوٹ ایک نئی چیز تھی اور فقہائے کرام اس سے متعلق احکام کے بارے میں حیران و پریشان تھے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے ان سوالوں کے جوابات دے کر مسئلہ واضح فرمایا۔ وہ سوالات مع جوابات (اجمالاً) درج ذیل ہیں۔

سوال ۱: کیا نوٹ مال ہے یا رسید؟

جواب: نوٹ قیمتی مال ہے رسید نہیں، فتح القدیر میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک کاغذ ہزار روپے مثلاً کے بدلے بیچے تو بلا کراہت جائز ہے۔ یہ نوٹ کی ایجاد سے پہلے اس کے بارے میں ایک جزئیہ ہے۔

سوال ۲: اگر یہ نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

جواب: ہاں! شرائط زکوٰۃ پائے جانے پر اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیوں کہ یہ ذاتی طور پر مالِ متقوم ہے۔

سوال ۳: کیا اسے مہر میں دینا صحیح ہے؟

جواب: ہاں! اسے مہر میں مقرر کرنا (اور دینا) صحیح ہے۔ جب کہ عقد کے وقت اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو۔

سوال ۴: اگر اسے محفوظ جگہ سے چوری کرلیا جائے تو ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا؟

جواب: ہاں! اگر (ہاتھ کاٹنے کی) شرائط پائی جائیں تو واجب ہوگا۔

سوال ۵: کیا اسے ضائع کرنے کی صورت میں اس کے بدلے تاوان ہوگا؟

جواب: ہاں! اسے ہلاک کرنے کی صورت میں اس کی مثل کے ساتھ تاوان واجب ہوگا اور ہلاک کرنے والے کو درہموں کی صورت میں تاوان ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

سوال ۶: کیا اسے درہموں دیناروں اور پیسوں کے ساتھ بیچنا جائز ہے؟

جواب: ہاں! جائز ہے جیسے عام شہروں میں لوگوں کے درمیان معمول ہے۔

سوال ۷: اگر اسے کپڑوں کے بدلے لیا جائے تو بیع مقایضہ ہوگی یا مطلق بیع؟

جواب: یہ اصطلاحی ثمن ہے۔ لہٰذا کپڑوں کے بدلے اسے لینا بیع مقایضہ نہیں، بلکہ مطلق بیع ہوگی۔

سوال ۸: کیا اسے قرض میں دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو اس کے مثل کے ساتھ ادائیگی ہوگی یا دراہم کے ساتھ؟

جواب: ہاں! اسے بطور قرض دینا جائز ہے اور ادائیگی صرف اس کے مثل سے ہوگی،

سوال ۹: کیا اسے بطور اُدھار مقررہ مدت تک درہموں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟

جواب: ہاں! جائز ہے بشرطیکہ مجلس میں نوٹ پر قبضہ کرے تاکہ دَین کے بدلے دَین نہ ہو۔

سوال ۱۰: کیا اس میں بیع سَلَم جائز ہے۔ مثلاً ایسے نوٹ کے بدلے جس کی نوع، اور

صفت معلوم ہو، ایک مہینہ پیشگی درہم دینا؟

جواب: ہاں: نوٹ میں بیع سلم جائز ہے۔

سوال نمبر ۱۱: نوٹ میں لکھی ہوئی رُوپوں کی تعداد سے زائد کے بدلے میں اس کی بیع جائز ہے مثلاً دس کا نوٹ بارہ یا بیس روپے یا اس سے کم کے ساتھ بیچنا کیسا ہے؟

جواب: ہاں! اس سے کم یا زیادہ کے ساتھ جس طرح دونوں فریق راضی ہوں سودا کرنا جائز ہے۔

سوال نمبر ۱۲: اگر یہ جائز ہے تو کیا یہ بھی جائز ہے کہ جب زید، عمرو سے دس روپے بطور قرض لینا چاہے تو عمرو کہے میرے پاس درہم نہیں البتہ میں دس کا نوٹ تم پر بارہ روپے میں بیچتا ہوں۔ تم ہر مہینے ایک روپیہ ادا کرتے رہنا؟ کیا اسے سود کا ایک حیلہ سمجھتے ہوئے اس سے روکا نہیں جائے گا۔ اور اگر روکا نہ جائے تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہے اور حرام، حالانکہ دونوں کا نتیجہ ایک ہے یعنی زائد مال حاصل کرنا؟

جواب: ہاں! جائز ہے اگر واقعی سودے کی نیت کرے قرض کی نہیں، اگر قرض ہوگا تو حرام اور سود ہوگا۔ کیوں کہ یہ ایک ایسا قرض ہے جس کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔

رسالہ میں بحث کے دوران آپ نے کچھ ایسی تحقیقات پیش کیں جن سے مکہ مکرمہ کے قارئین کرام بے حد مسرور ہوئے حالانکہ آپ اس وقت حالتِ سفر میں تھے۔ آپ نے صاحبِ ہدایہ، امام ابن ہمام اور علامہ زاہدی صاحبِ قنیہ پر کچھ سوال کئے۔ اور آپ نے اپنی تصنیفات میں اکثر یہ طریقہ اختیار کیا۔ لیکن آپ علمائے امت کے ادب واحترام کے پیش نظر انتہائی تلطف سے تعبیر فرماتے ہیں۔

آپ نے جب بحث مکمل کرلی تو مکہ مکرمہ کے جلیل القدر علمائے کرام مثلاً شیخ الائمہ والخطباء علامہ احمد ابو الخیر میرداد حنفی سابق مفتی وقاضی شیخ صالح کمال حنفی، حافظ کتب حرم الفاضل سید اسماعیل خلیل حنفی، اور مفتی احناف عبد اللہ صدیق رحمہم اللہ نے اسے سُنا۔ اور اس کی تحسین فرماتے ہوئے اسے نقل کرلیا۔ بعد میں مفتی احناف عبد اللہ

صدیق رحمہ اللہ نے جب اس عظیم الشان کتاب "کفل الفقیہ الفاہم" کو مکتبہ حرم میں دیکھا تو مطالعہ کرنے کے بعد اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے بطور تعجب فرمایا۔ شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر سے یہ بیان کہاں مخفی رہ گیا۔ علامہ جمال بن عبداللہ مکہ مکرمہ میں مفتی احناف تھے۔ اور فقہ وحدیث کی سند میں امام احمد رضا بریلوی کے دادا استاذ تھے۔ قبل ازیں جب ان سے احکام نوٹ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دینے سے توقف کیا۔ اور فرمایا علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے؛ عبداللہ صدیق نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور جب ان کو بتایا گیا کہ اس کتاب کے مصنف یہاں موجود ہیں تو انہوں نے ملاقات کی، گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اور دونوں شخصیتوں کے درمیان علمی مذاکرہ ہوا[1]

اسلامی نظام کے نفاذ اور اقتصادی نظام، نیز بینکوں کو سود سے پاک کرنے کیلئے اس کتاب کی ضرورت اظہر من الشمس ہے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے پہلے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ کے تمام سوالوں کی بنیاد یہی سوال ہے۔ جب اس کاغذ (نوٹ) کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو تمام احکام کسی اشتباہ کے بغیر واضح ہو جائیں گے۔ آپ نے ان لوگوں کا رد فرمایا، جو اسے چیک کی طرح رسید قرار دیتے ہیں۔

جب آپ وطن لوٹے تو معلوم ہوا کہ علمائے دیوبند میں سے رشید احمد گنگوہی نے فتوی دیا ہے کہ نوٹ چیک ہیں۔ انہیں ان کی مثل کے ساتھ بھی نہیں بیچا جا سکتا۔ چہ جائیکہ کم یا زیادہ رقم کے ساتھ سودا کیا جائے۔ آپ نے اپنی کتاب جس کا تاریخی نام "الذیل المنوط لرسالۃ النوط" ہے۔ میں اٹھارہ وجوہ سے ان کا رد کیا۔

مشہور عالم دین علامہ عبدالحیٔ لکھنوی فرنگی محلی جنہوں نے مؤطا امام محمد کا حاشیہ "التعلیق الممجد" کے نام سے لکھی ہے، نے فتوی دیا کہ نوٹ کو اس سے کم یا زیادہ رقم کے بدلے نہیں بیچا جا سکتا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے گیارہویں سوال کے جواب میں پندرہ وجوہ سے

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام، الذیل المنوط، ص: ۱۶۶، ۱۶۷۔

انکار کیا۔ حالانکہ اس وقت آپ کے پاس کوئی فتاویٰ نہ تھا۔ واپسی پر آپ علامہ عبدالحیٔ کے فتویٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور بیس وجوہ سے اس پر تنقید فرمائی۔ اگر کوئی کہے کہ آپ نے کس بنیاد پر نوٹ کی مالیت سے کم یا زیادہ رقم کے ساتھ اس کی بیع کو جائز قرار دیا۔ حالانکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے اس بات کا بھی جواب دیا ہے اور یوں فرماتے ہیں؛

امام محمد رحمہ اللہ کی طرح جن لوگوں نے اسے مکروہ قرار دیا ہے تو اسکی وجہ یہ تھی جیسا الفتح القدیر، ایضاح اور محیط کے حوالے سے گزر چکا کہ لوگ اس کے عادی ہو کر ممنوعات میں نہ پڑ جائیں اور ہمارے زمانہ میں معاملہ اُلٹ ہو گیا ہے۔ اہل ہند میں سود کھلم کھلا رواج پا گیا ہے۔ وہ اس میں کچھ بھی شرم نہیں کرتے گویا وہ اسے عیب اور باعث شرم نہیں سمجھتے تو جو شخص ان کو اس عظیم مصیبت اور کبیرہ گناہ سے بعض جائز حیلوں مثلاً دس کے نوٹ کی بارہ روپے کے ساتھ بیع کو جائز قرار دے کہ وہ رقم قسطوں میں ادا کرے یا اس طرح کی کوئی دوسری صورت جیسے امام فقیہ النفس قاضی خان کی طرف سے بیان ہو چکا ہے تو بلا شبہ وہ شخص مسلمان کا خیر خواہ ہے اور دین تو تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کا نام ہے۔ وللہ الحمد

پس جب لوگ سنیں گے کہ حرام سے بچتے ہوئے مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو وہ توبہ کیوں نہیں کریں گے۔ وہ اسلام اور شریعت کے مخالف تو نہیں ہیں[۱]

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے یہ کتاب بزبان عربی مکہ معظمہ میں تصنیف کی۔ ان کے فرزند اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولٰنا شاہ محمد حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہ نے عربی میں اس کا تعارف لکھا اور وہ اس کرار دو میں ترجمہ کیا۔ یہ مبارک کتاب ابتداءً بریلی شریف سے چھپی پھر نوری کتب خانہ لاہور سے چھپتی رہی۔ ۱۹۸۲ء میں منظمۃ الدعوۃ الاسلامیۃ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے عربی متن شائع کیا۔ ۱۹۸۹ء میں عربی متن رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی طرف سے عربی ٹائپ شائع کیا گیا۔ اور اب اس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے رضا فاؤنڈیشن لاہور کو اپنے مقاصد پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

---

[۱] امام احمد رضا بریلوی: امام ... نفل الفقیہ الفاہم ... نوری کتب خانہ لاہور ... ص: ۱۸۰۰، ۱۱۷

تعارف

سراہے گئے حمد کئے گئے کی وہ حمد کرتا ہوں، جو سب سے بہتر حمد کرنے والے نے کی۔ اور درود وسلام بھیجتا ہوں ان پر جو سب بکثرت سراہی ہوؤں سے زیادہ سراہے گئے ہیں۔ جنکا نام پاک احمد ہے۔

حمد و نعت کے بعد جبکہ چودھویں رات کے روشن چاند کی طرح سیر کے لئے ہند کی پستی سے بلندئ حج مکہ معظمہ وزیارتِ حرم حبیبِ مصطفےٰ امید گاہ پسندیدہ برگزیدہ علیہ افضل الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف۔

سال گذشتہ سے پہلے سال دوسری بار وہ متوجہ ہوئے جو اہلسنت تابندہ وجماعت سنت کے امام ہیں۔ اور موجودہ صدی کے مجدد، ملتِ پاکیزہ کے ناصر، نورِ ایمان کی بلندی، چشمِ عمائد کی پتلی۔ وہ کہ زمانہ کی آنکھ نے اُن کا مثل نہ دیکھا۔ قطبِ مکان وغوثِ زمان وبرکتِ وجود، آیات الٰہیہ سے ایک آیت۔ میرے سردار واستاذ ووالد جاپناہ حضرت مولانا حاجی جناب احمد رضا خاں صاحب۔ اللہ عزوجلّ ہم پر اُن کے فیض بسیار بار کے چھینٹے ڈالے جب تک کلیاں پر بلبل چہکیں۔

اور میں اُن کے شمار عیال میں داخل ان کے آنچلوں دامنوں سے متمسک تھا۔ تو میں نے دیکھے وہ عزت کے امتیاز جن سے اللہ تعالٰے نے اُن کو خاص کیا۔ اور اُن پر اپنی بڑی عطائیں وسیع فرمائیں۔ اور اُن پر اپنے انعام کا دامن ڈالا اپنے حرمت والے شہر (مکہ معظمہ) اور اپنے سرورِ عالم کے شہر (مدینہ طیبہ میں) (اُن پر سب سے بہتر درود وسلام جب تک رات دن باقی رہیں)

دونوں شہر مکرّم کے لوگوں نے اُنکی تعظیم وتوقیر وتکریم وخاطر داری کی۔ اور ان کے مخالفوں پر ان کی مدد کی۔ اور ان مفسدوں کو کہ دین سے ایسے نکل گئے جیسے آٹے سے بال۔ مغلوب کیا

اور ان کی ذلیل خباثت کے پردے چاک کئے۔ تو وہ مفسد غضبِ الٰہی کے مستحق ہوئے۔ اور خسارے میں رہے۔ اور ڈرائے گئے کی بُری صبح ہوئی۔

اور شیطان کی اولاد ذلت کی غار میں بھاگی۔ جیسے بھڑکے ہوئے گدھے کہ شہر سے بھاگے ہوں۔ اور ان مفسدوں کے پردے چاک ہوئے۔ اور عیب کھل گئے۔ اور ان کی ذلت خاموش ہوئی۔ اور اُن کی گرمی روپوش اور اُن کی آگیں خاموش ہوئیں۔ اور ان کے چوہے مارے گئے۔ اور اُن کے بیل ذبح کئے گئے۔

اور حضرت ممدوح علماء کرام اتقیائے عظام بڑے بڑے مشاہیر کمال عزت اور نہایت احترام سے ملے۔ اور اُنکے لئے گواہی دی کہ وہی سردار و یکتا و امام ہیں۔ بلکہ اُن کے ہاتھ پاؤں چومے۔ اور ان سے حدیث مسلسل بالاولیۃ سنی۔ اور حدیث کی کتابوں، صحاح و سنن و مسانید و معاجیم اور چاروں مصافحوں کی اجازت لی یہاں تک۔ کہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور اور سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں منسلک ہوئے۔

اور یہ تمام باتیں چھوٹی اور بڑی سب اُن عمائد علماء و اکابر کبریٰ کے اصراروں سے ہوئیں۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

حضرت ممدوح کے تذکرہ سے کان خوش ہوئے۔ اور اُن کی خوشبوئے فضل سے ہر مجلس و منزل مہک اٹھی۔ اور ان کے فیض کا شہرہ اطراف آفاق میں بلند ہوا تو قلوب بڑے شوق سے اُن کے آرزومند ہوئے مگر ان کے علوم کی خوشبو پھیلنا اور ان کی مشکِ فہوم کا خوب مہکنا رسالہ مبارکہ اَلدَّوْلَةُ الْمَكِّيَّة بِالْمَادَّةِ الْغَيْبِيَّة ۱۳۲۳ھ سے ہوا۔

جسے بعض وہابیہ کے جواب سوالات میں تصنیف فرمایا۔ تو اُن کے گروہوں کو بھگا دیا۔ اور ہاتھ باہر نکالنے کی حاجت نہ ہوئی۔ اور اُن کے سر و دُم قطع کئے اور تلوار نیام کی نیام ہی میں رہی۔ یہ کتاب اور جوابات صرف تین جلسوں میں تمام ہوئے جنکا مجموعہ دس گھنٹے بھی نہ تھا۔ تو یہ نہ تھا مگر اللہ عزوجل کی طرف سے کرامت و خرق عادت۔ مگر وہ حضرت ممدوح کے لئے تو دستورِ عادت کے مثل ہے جس کا ایسے افادوں میں اُن سے بارہا تجربہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے وہ سب سے بہتر خوبی اور اس پر بھی زیادت پوری کرے تو یہ رسالہ

ایک فوری نگاہ فرماں پذیر اور بلاغت ترقی گزین سے لکھدیا۔ سیراب روایتوں سے جلوہ ریز اور گوہرین دانشوں سے زیور پوش، تو وہ علماء اس کے بلند نوروں سے ضیاء گیر ہوئے۔ اور انہوں نے یقین کیا کہ مصنّف کا قدم مشاہیر علوم معقول و منقول میں بلند ہے۔ تو اُن کے پاس حاجتوں کے ناقے روکے۔ اور ان کی طرف طلب کے جماز ے سرگرم تیز کئے۔ اور بہت مسائل میں ان سے فتوے چاہے تو مصنف نے چمکتی نورانی طبیعت سے ان کو جواب دیئے۔ ازاں جملہ وہ بارہ مسئلے کہ ذہنوں کو آزمائیں اور آدمی کا مقام کھولیں اور قیمت جانچیں۔ اور میدان کے معرکوں میں سواروں کی قدر بتائیں۔ بعد اس کے وہ علماء ان مسائل میں صغار و کبار سے بحث کر چکے تھے۔ اور ان کے لئے بڑی بھرن اور شبنم، سب سے پانی مانگ چکے تھے اور لوگوں نے آڑے بلے کر کے ٹال دیا تھا۔

ایسے مسائل کا جواب مصنّف ممدوح نے بروز شنبہ شروع فرمایا۔ اور اتوار کو بھر بخار آگیا۔ تو روز دوشنبہ بھر دن چڑھے اسے تمام فرمادیا۔ ۲۳ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ کو اللہ عزوجل کے حرمت والے شہر (مکہ معظمہ) میں تو بڑے احسان والے اللہ کے فضل سے پیاس کے وقت مینھ آیا۔

اور اُس کی خواہش دو عالموں کی طرف سے ہوئی تھی ایک فاضل پاکیزہ کامل مکمل مصلائے حنفی کے امام مولینا شیخ عبداللہ میر داد مکی قادری رضوی شیخ الخطباء و سردار اماماں باعظمت حضرت شیخ احمد ابوالخیر کے صاحبزادے اللہ عزوجل ان کو ہر مضرت سے محفوظ رکھے۔ دوسرے ان کے استاذ فاضل کامل سب بری باتوں سے یکسو و کنارہ گزیں مولانا شیخ حامد احمد محمد فاضل جدّہ وہ دشمن و گمراہ کے شر سے محفوظ رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں اور ہمیں بدمذہب کتوں اور بھونکنے والے کے بھونکنے سے بچائے اور ہمیں اور انہیں سب تہلکوں اور گرنے کی جگہوں سے نگاہ رکھے۔ اور ہم سب کو اپنے فضل سیراب کے چھینٹوں سے سیراب کرے۔ اور ان کے دل اور میرے دلِ پژمردہ کو تر و تازہ کرے۔ اور اُن کی اور ہماری سب برائیاں بخش دے۔ اور ہم سب کو بار بار اپنے کرم والے گھر اور اپنے حبیب نہایت مہربان رحم والے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار کی طرف بار بار بتکرار

حاضری پر حاضری عطا فرمائے۔ قبول اور برکتوں کے ساتھ۔ انکی عزت کا صدقہ جو نیکیوں کو صحت بخشنے والے ہیں اور لغزشوں کے معاف فرمانے والے بھلائیوں کے رہنما، ہر گناہ و بدی مٹانے والے اللہ تعالیٰ اُن پر اور ان کے آل و اصحاب اور پاک بیبیوں پر درود بھیجے۔

مصنف نے رسالہ کا نام:

کِفلُ الفَقِیہِ الفَاہِمِ فِی اَحکَامِ قِرطَاسِ الدَّرَاہِمِ ۱۳۲۴ھ

رکھا۔ ہاں وہ رسالہ یہ ہے اور اللہ کے لئے حمد ہے اس کی نعمتوں پر۔ اور درود و سلام افضل انبیا پر اور ان کے آل و اصحاب اور تمام احباب پر اور ہم پر اُن کے ساتھ اور اُن کے سبب اور ان کے گروہ میں اور ان کے صدقہ میں اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر جو اُن میں زندہ ہیں اور جو مر گئے ایسا ہی کر اے پروردگار سارے جہان کے۔

اُس نے اپنے مُنہ سے کہا اس کے مضمون پر گواہی دیتا ہوا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرم اور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہربانی سے اپنے رب کی رحمت اور اس کے محبوب کی نعمت کے امیدوار محمد نے جس کا عرف حامد رضا بریلوی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے سیراب کرنے والے گھاٹ سے پانی پلائے۔ اور اسے پژمردہ کرنے والی گرمی کے شر سے بچائے۔

محمد حامد رضا خاں۔

نوٹ کے متعلّق سب مسائل

۱۳ ھ ۲۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

آپ کا کیا ارشاد ہے ؟ آپ کا فضل ہمیشہ رہے اس کاغذ کے باب میں جس پر سکّہ ہوتا ہے ۔ اور اسے نوٹ کہتے ہیں ۔ اور اس میں متعدد باتیں دریافت کرنی ہیں ۔

اوّل ۔ کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند ؟

دوم ۔ جب وہ بقدر نصاب ہو ۔ اور اس پر سال گذر جائے ۔ تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

سوم ۔ کیا اسے مہر مقرر کر سکتے ہیں ؟

چہارم ۔ اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں ؟

پنجم ۔ اگر اسے کوئی تلف کر دے ۔ تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ہوگا یا روپے ؟

ششم ۔ کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے ؟

ہفتم ۔ اگر مثلاً کسی کپڑے سے اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مُقایضہ (جس میں دونوں طرف متاع ہوتی ہے)

ہشتم ۔ کیا اسے قرض دینا جائز ہوگا اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے یا روپے ؟

نہم ۔ کیا روپوں کے عوض ایک وعدہ معینہ پر قرضوں اس کا بیچنا جائز ہے ؟

دہم ۔ کیا اس میں بیع سَلَم جائز ہے ؟ یوں کہ روپے پیشگی دیئے جائیں ۔ کہ مثلاً ایک مہینہ کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا ؟

یازدہم۔ کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے۔ اس سے زائد کو بیچا جائے۔ مثلاً دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو۔ یا اسی طرح اس سے کم کو۔

دوازدہم۔ اگر یہ جائز ہے تو کیا یہ بھی جائز ہے کہ جب زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے۔ تو عمرو کہے۔ روپے تو میرے پاس نہیں ہیں۔ ہاں میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں۔ کہ تو ہر ایک مہینے روپیہ دیا کرے کیا اس کو منع کیا جائے گا۔ کہ یہ سود کا حیلہ ہے۔ اور اگر منع نہ کیا جائے۔ تو اس میں اور ربا (سود) میں کیا فرق ہے؟ کیا یہ حلال ہو۔ اور وہ حرام۔ حالانکہ مآل دونوں کا ایک ہے یعنی زیادتی کا حاصل ہونا۔

ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے دن تمہیں اجر ملے۔

جواب

الٰہی! تیرے ہی لئے حمد ہے۔ اے بہت عطا فرمانے والے، درود وسلام بھیج اُن سردار پر جو تیری طرف بہت رجوع فرمانے والے ہیں۔ اور ان کے آل و ازواج واصحاب پر، میں تجھ سے حق اور راستی کی رہنمائی چاہتا ہوں۔

جان اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے توفیق دے اور میری تیری ہدایت کا والی ہو کہ نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نو پیدا چیز ہے۔ تُو تالیفاتِ علماء میں اس کا اصلاً نام و نشان نہ پائے گا یہاں تک کہ علامہ شامی اور ان کے مثل جنکا زمانہ ابھی قریب گزرا۔ لیکن ہمارے اماموں نے اللہ تعالیٰ اُنکی نیک کوششیں ٹھکانے لگائے اور ان کی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے، اس دین حنیف کا شافی بیان فرمادیا۔ جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔

تو بحمد اللہ یہ شریعت ایسی روشن چمکتی ہو گئی کہ اس کی رات بھی دن کی طرح ہے۔ تو انہوں نے قواعد مقرر فرمائے۔ اور ہر بات جدا جدا دکھا دی۔ اور ایسے کُلیے ذکر فرمائے، کہ بیشمار جزئیوں پر منطبق آئیں۔ تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگرچہ ختم ہونا نہیں مانتیں۔ مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے ہیں۔ اس سے کوئی باہر رہتی نہیں معلوم ہوتی۔ اور اللہ نے چاہا

تو زمانہ ایسوں سے خالی نہ ہوگا جسے اللہ تعالیٰ ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور ان بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے۔

ہاں فہم بعضے بعید ہوتے ہیں اور بعضے قریب۔ اور آدمی خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ اور علم تو اسی نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے چاہے قلب میں القا فرماتا ہے۔ تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اللہ عزوجل کی توفیق و ہدایت کی طرف۔ ہدایت کی طرف التجا کی جائے۔ اور اللہ ہم کو کافی ہے۔ اور بہت اچھا کام بنانے والا۔ اور اسی پر پھر اس کے رسول پر بھروسہ۔ وہ بزرگی و بلندی وکرم والا اور ان پر اس کے درود و سلام۔

تو میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا۔ آپ کا پہلا سوال آپ کے سب سوالوں کی اصل ہے اور جب اس کاغذ کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو سب احکام واضح ہو جائیں گے جنمیں کوئی شبہ نہ رہے گا۔

حقیقتِ نوٹ کا بیان اور یہ کہ وہ قیمت والا مال ہے

اس کی اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا۔ مگر یہی کہ لوگوں کی رغبتیں اس کی طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لئے اٹھا رکھنے کا زیادہ لائق ہو گیا۔ اور مال کے معنی یہی ہیں۔ یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کے لئے اٹھا رکھنے کے قابل ہو جیسا کہ بحر و شامی وغیرہما میں ہے۔

اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے کبھی مسلمان کو اس سے نہ روکا کہ اپنے پارۂ کاغذ میں جس طرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ شراب و خوک کے بارے میں نہی وارد ہوئی۔ اور مال کی قیمت والے ہونے کا اسی پر مدار ہے جیسا کہ رد المحتار میں ہے اور اس میں تلویح سے نقل فرمایا۔ مال وہ چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقتِ حاجت اس سے نفع لینے کے لئے اٹھا رکھا جائے۔ اور قیمت والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے اور اسی میں بحوالہ بحر الرائق حاوی قدسی سے ہے۔ مال آدمی کے سوا ہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کے لئے پیدا کی

گئی۔ اور اس قابل ہو کہ اسے محفوظ رکھیں اور باختیارِ خود اس میں تصرف کریں[۱]۔ اور بیشک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا ہے :-

"اگر کوئی اپنا کاغذ کا ٹکڑا ہزار کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے[۲]"

نوٹ کا جزئیہ

اور اگر تحقیق کیجئے تو یہ بعینہٖ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ ان امام نے اس کی پیدائش سے پانسو برس پہلے فرمادیا۔ کہ یہی وہ کاغذ ہے جو ہزار روپے کو بکتا ہے اور کچھ اچنبا نہیں۔ کہ ایسی کرامتیں ہمارے علمائے کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکتوں سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچائے ۔ آمین۔

تو کوئی شک نہیں۔ کہ نوٹ بذاتِ خود قیمت والا مال ہے۔ کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے۔ اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں۔ سب اس میں جاری ہوتی ہیں

ردِّ اوہامِ گنگوہی

اقول اور گمان فاسد بلکہ نہایت بدتر شکوک میں سے ہے۔ یہ وہم[۳] کہ نوٹ دستاویز کے قبیل سے کوئی سند ہے۔ یعنی وہ سلطنت کہ جو ان کاغذوں کو رائج کرتی ہے۔ اُن لینے والوں سے روپے قرض لیتی ہے اور یہ ان کے قرضوں اور ان کی مقداروں کی یاد داشت اُن کو دیتی ہے تو جب وہ لوگ سلطنت کے پاس وہ نوٹ لے کر آئیں سلطنت اُن کے قرض

---

۱ ردالمحتار ۴/ ۳ (ط ب دار الکتب العربیہ مصر) المطبعۃ الکبرٰی مصر

۲ فتح القدیر امام ابن ہمام ۵/ ۴۲۵ (ط

۳ یہ وہم مولوی رشید احمد گنگوہی کو لگا ہے اس کا بیان ختمِ کتاب پر دیکھئے ۔ انشاءاللہ تعالیٰ
۱۲ مترجم غفرلہٗ

ادا کر دیتی ہے اور اپنے کاغذ واپس لیتی ہے اور اگر نوٹ لینے والے رعیت میں اوروں کو نوٹ دیں۔ تو وہ ان دوسروں سے روپے قرض لیتے ہیں۔ اور اپنا قرضہ سلطنت پر اُتار دیتے ہیں۔ اور اس حوالہ کی نشانی کو وُہی یادداشت کا کاغذ ان کو دے دیتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ سے ان دوسروں نے جو قرض ان پہلوں کو دیا تھا۔ اسے سلطنت سے وصول کرسکیں جو اُن پہلوں اُن کے مقروضوں کی مدیون ہے۔ اور یوں ہی جتنے اُلٹ پھیر نوٹوں کے ہوں قرض اور حوالے مکرر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے سند ہونے کے یہ معنی ہیں۔

اور[۲] ہر سمجھ دار بچہ بھی جانتا ہے کہ جتنے لوگ نوٹ کا معاملہ کرتے ہیں کسی کے دل میں ان باتوں کا خطرہ بھی نہیں گزرتا۔ اور کبھی اس اُلٹ پھیر سے قرض دینے یا لینے یا حوالہ کا قصد نہیں کرتے اور کبھی ان باتوں میں سے کسی طرف ان کا خیال نہیں جاتا۔

اور[۳] تو اُن میں کبھی کسی کو نہ دیکھے گا کہ اپنے قرض کے بہی کھاتے میں اس کا نام لکھے جس نے نوٹ دے کر اس سے روپے لئے۔ اور اپنی زندگی بھر اس سے یہ نہیں کہتا کہ تُو نے مجھ سے قرض لیا ہے۔ ادا کر دے اور اپنی یادداشت مجھ سے لے لے۔

اور[۴] جو اوروں کا اس پر دینا آتا ہے اس میں بھی اس کا نام کبھی نہیں لکھتا جسے نوٹ دیکر اُس نے روپے لئے اور کبھی اپنی زندگی بھر یا مرتے وقت یہ نہیں کہتا۔ کہ فلاں کا مجھ پر اتنا آتا ہے اسے ادا کر دینا اور میری یادداشت اس سے لے لینا۔

اور[۵] وہ ظالم بیباک جو سود اعلانیہ کھانے کے عادی ہوئے ہیں ایک پیسہ کسی کو قرض نہ دیں گے جب تک تاادائے دین اس پر ماہوار سود مقرر نہ کرلیں۔ اور تو انہیں دیکھے گا کہ نوٹ لے کر روپے دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی نہیں مانگتے۔ نہ مہینے پیچھے۔ نہ برسوں بعد اور اگر وہ جانتے کہ یہ قرض دینا ہے تو ہرگز نہ چھوڑتے۔

تو[۶] حق یہ ہے کہ وہ سب کے سب اس سے مبادلہ اور خرید و فروخت ہی کا قصد کرتے ہیں۔ جو نوٹ لیتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے دے کر اس کا مالک ہو گیا اور جو نوٹ دیتا ہے۔ وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں نے روپے لیکر نوٹ اپنی مِلک سے خارج کر دیا۔ اور نوٹ لینے والا اسے روپوں اشرفیوں پیسوں کی طرح اپنا مال اور اپنی جمع سمجھتا

ہے۔ اور اسے جوڑ کر رکھتا ہے اور ہبہ کرتا ہے اور اس میں وصیت کرتا ہے اور تصدّق کرتا ہے۔ تو وہ بیع ہی سمجھتے ہیں اور بیع ہی کا قصد کرتے ہیں ـــــ اور لوگوں کے معاملات وہی سمجھے جائیں گے جو ان کے مقصود ہیں اور اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی[۱]۔

تو ایسے یقین سے ثابت ہے جس کے گرد شبہ کو اصلاً بار نہیں۔ کہ نوٹ لوگوں کے نزدیک قیمت والا مال ہے جو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ جمع کیا جاتا ہے اس کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ بیچا جاتا ہے اور مول لیا جاتا ہے۔ اور جو مال میں جاری ہوتا ہے سب اُس میں جاری ہوتا ہے۔ اور یہ جو تم اس کی بڑی بڑی قیمتیں دیکھتے ہو کہ ایک نوٹ دس کا۔ دوسرا سَو کا اور تیسرا ہزار کا۔

کاغذی نوٹ کی بھاری قیمتوں کا بیان

اقول ہم فتح القدیر سے بیان کر آئے ہیں کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار کو بک سکتا ہے اور اس کے لئے صرف اتنا درکار ہے۔ کہ بائع اور مشتری دونوں اس پر راضی ہوں تو اُس کا تو کیا کہنا جس پر گروہ کے گروہ راضی ہوں۔ اور ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح میں ٹھہرا لیں۔ علاوہ بریں سکّہ شاہی شرع کے نزدیک بھی قیمتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جو شخص دس درہم سکّہ کے چرائے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور جو ایسی چاندی بے سکّہ کی چرائے جس کا وزن دس درہم بھر ہو۔ اور اس کی قیمت سکہ کے دس درہم تک نہ پہنچے۔ اس کا ہاتھ نہ کٹے گا۔ جیسا کہ ہدایہ وغیرہ عام کتبِ مذہب میں تصریح ہے[۲]۔ اور ایک روپے کے سکّہ دار پیسے جتنے آتے ہیں اگر تو ان کے وزن کا تانبا لے۔ تو ہرگز ایک روپے کا نہ ہوگا بلکہ بعض اوقات اٹھنی کا بھی نہ ہوگا بلکہ ایسی حالت چاندی میں بھی دیکھو گے۔ ابھی تھوڑا زمانہ گذرا ہے۔

---

[۱] صحیح بخاری، عربی ۱/۱

[۲] ہدایہ ۱/۵۱۸

کہ دو روپے بھر چاندی ہمارے ملک میں ایک روپیہ کو بکتی تھی۔ اور جاہل لوگ خریدتے تھے۔ اور نہیں جانتے تھے کہ اس میں سُود کا کیسا وبال ہے۔ تو سکّہ سے جب دُونا دُون قیمت ہوگئی۔ تو دو چند اور ہزار چند یکساں۔

اور ہر شخص کہ جو شرعِ مطہّر یا عقلِ سلیم کے گھاٹ سے گذرا ہے۔ اگرچہ راہ چلتا ہوا اس پر روشن ہے۔ کہ ایک شے نہایت حقیر میں ایک وصف لگ جاتا ہے کہ اُسے اُس جیسی ہزاروں سے بیش بہا کر دیتا ہے۔ اور بارہا ایک کنیز دو لاکھ روپے اور اس سے زائد کو خریدی گئی۔ اور دوسری کو کوئی تیس ۳۰ روپے کو نہیں پوچھتا۔ حالانکہ اوصاف کے لئے ثمن میں سے کوئی حصہ نہیں۔ یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں جب تک کہ بالقصد نہ ہلاک کئے جائیں تو وہ ثمن ذات ہی کا ہے۔ جسے رغبتیں بڑھنے کے سبب اوصاف نے بڑھا دیا۔

بھلا بتا تو کہ ایک ورق کاغذ ہو۔ جس میں ایک علم نفیس عجیب و غریب نادر ہو۔ اور ایک شخص اس علم کا طلب گار ہو۔ اور اس کی قدر جانتا ہو۔ وہ اس ورق کو دس ہزار میں خرید لے تو کیا کوئی اس میں خلاف ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ حلال طیب ہے۔ اس پر قرآن عظیم کا نص اور بلا انکار و منازعت اِجماع قائم ہے۔ ربّ عزّ وجلّ فرماتا ہے:۔

"مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری آپس کی خوشی کا ہو[۱]"

اور یہ دس ہزار اس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں۔ کہ وہ تو مال کے قبیل ہی سے نہیں۔ جیسا کہ ہدایہ اور باقی تمام کتب میں تصریح ہے جن میں مسائل مع دلائل مذکور ہیں۔ اور یہ ہدایہ کی عبارت ہے۔ قرآن مجید چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر سونا چڑھا ہوا ہو۔

لکھا ہوا کچھ مالیت نہیں

اس لئے کہ لکھے ہوئے کے اعتبار سے تو وہ از قبیلِ مال ہی نہیں اور اس کا محفوظ

۱؎ قرآن شریف النساء آیت ۲۹

رکھنا اس مکتوب ہی کی غرض سے ہے نہ کہ جلد اور ورقوں اور نقوشِ زر کے لئے۔ یہ چیزیں تو تابع ہیں۔ اور کسی قسم کے دفتر کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کہ ان سے مقصود وہ ہے جو اُن میں لکھا ہے۔ اور وہ مال نہیں مگر حساب کی بہیاں کہ اُن میں جو لکھا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں، ہوتا جو اس کا لینا مقصود ہو۔ تو ضرور کاغذ ہی مقصود ہوئے[۱]۔ انتہیٰ ملخصا

تو کھل گیا کہ ایک ورق کاغذ ہی کی قیمت اس کی تحریر کے باعث دس ہزار کو پہنچ گئی۔ تو اس میں کیا تعجب ہے کہ اُس لکھائی کے سبب نوٹ کی قیمت دس یا زائد کو پہنچ جائے جس کے باعث لوگوں کی رغبتیں اُس کی طرف کھنچ گئیں اور شرع سے اس پر کونسی روک ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسئلہ اس سے زیادہ روشن ہے کہ روشن کرنے کا حاجتمند ہو اور کہاں تک تو چراغ مانگے جائے گا۔ حالانکہ صبح روشن ہو گئی۔

مال کی چار قسمیں

ثمَّ اقول۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ مال چار قسم ہے جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے۔[۲]

اوّل وہ کہ ہر حال میں ثمن ہی ہے۔ اور وہ سونا چاندی ہیں کہ ہمیشہ ثمن ہی رہیں گے۔ خواہ اُن کے عوض کوئی چیز بیچی یا اُن کو کسی چیز کے عوض بیچنا کہیں۔ خواہ اپنی جنس سے بدلے جائیں یا غیر جنس سے۔ خواہ اہل عرف انہیں ثمن کہیں یا نہ کہیں جیسے چاندی سونے کے برتن وغیرہ کہ وہ اس گھڑت کے سبب جو اُن میں ہوئی۔ خالص ثمن نہ رہے۔ ولہذا عقد بیع میں متعین ہو جائے گی۔ اور با ایں ہمہ اُن کی بیع شرعاً صرف ٹھہرے گی (یعنی ثمن سے ثمن کا بیچنا) اور جو شرائط صرف کے ہیں وہ سب اس میں مشروط ہوں گے[۳] اس لئے کہ چاندی سونا ثمن ہونے کے لئے بنائے گئے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی۔

قسم دوم وہ جو ہر حال مبیع ہے جیسے کپڑے اور چوپائے[۴] کہ اگرچہ اُن کے عوض کوئی

---

[۱] علامہ برہان الدین: ہدایہ ۱/ ۲۱ - ۵۲۰ - [۳] ابن نجیم: بحر الرائق ۶/ ۲۰۳

[۲] ابن نجیم: بحر الرائق ۶/ ۱۹۲ - ۲۰۳

چیز بیچنا کہیں اور ان کا مبادلہ کسی شے کے ساتھ ہو وہ کبھی ذمہ پر دَین ہو کر لازم نہ ہوں گے۔ اور ثمن ہونے کے یہی معنی ہیں۔ تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ بیع مقایضہ (جس میں متاع کے بدلے متاع بیچی جاتی ہے) اس میں دونوں متاع ایک وجہ سے ثمن ہیں۔ اعتراض علامہ طحطاوی کے جواب میں علامہ شامی نے اسی طرح توجیہ فرمائی۔[1]

علامہ شامی پر ایک معروضہ

اقول اسمیں یہ اعتراض ہے کہ چاندی سونے کی گھڑی ہوئی چیز مثلاً برتن یا گہنا یہ بھی ذمہ پر دَین نہیں ہوتے۔ بلکہ عقد میں متعین ہو جاتے ہیں۔ جیساکہ بحر الرائق سے گذرا۔ تو اگر یہ تقریر سالم رہے تو اس پر نقض وارد ہوگا۔ فتأمّل۔

اور میرے نزدیک صاف جواب یوں ہے کہ بیع مقایضہ میں ہر شے مبیع بھی ہے اور ثمن خالص نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اس کا ایک رُخ ثمنیت کی طرف بھی سہی۔ اس لئے کہ بیع بغیر ثمن و مَبیع دونوں کے نہیں ہو سکتی۔ بخلاف قسم آیندہ کے کہ وہ کبھی خالص ثمن ہوتی ہے اور کبھی خالص مَبیع۔ تو ان دونوں قسموں کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثمن یا مبیع ہونا کسی حال اُس سے جُدا نہ ہو۔ اگرچہ بعض اوقات اُسے دوسرا رُخ بھی عارض ہو۔

پھر وہ جو کپڑوں کی مثال گذری۔ مصنّف نے اُسے یوں ہی مطلق چھوڑا۔ اور شرح اور حواشی میں اسے برقرار رکھا۔ اور مراد وہ کپڑے ہیں جو مالیت میں ایک سے نہ ہوں ورنہ تیسری قسم میں ہوں گے جبکہ ان کا ضبط ہو سکے ذکر جنس سے جیسے روئی اور کتان۔ یا کارخانہ کے ذکر سے۔ جیسے شام و مصر کا کام۔ یا پتیل اور دبیز ہونے سے یا طول و عرض کی پیمائش سے یا وزن سے۔ اگر تول کر بیچے جاتے ہوں اور اسی بنا پر ان میں بیع سلم یعنی بدنی جائز ہے جیساکہ اپنے محل میں معلوم ہو چکا ہے۔

قسم سوم۔ وہ جنکی ذات میں کوئی ایسا وصف ہے جس کے سبب کبھی ثمن کبھی مبیع

---

[1] رد المحتار ۱ ۴/ ۲۷۔

ہوتے ہوں اور میں ویسا نہیں کہتا جیسا تنویر میں فرمایا کہ ایک جہت سے ثمن ہو اور ایک جہت سے مبیع[1] کہ مقایضہ کی بات پلٹ پڑے۔

تنویر الابصار پر تطفل

اقول۔ میں نے یہ قید کہ اس کی ذات میں کوئی وصف ہو اس لئے بڑھا دی کہ قسم چہارم نکل جائے کہ وہ بھی تو کبھی ثمن ہوتی ہے کبھی نہیں۔ لیکن کسی اپنے وصف کے سبب نہیں۔ بلکہ اصطلاح وعدم اصطلاح کی بنا پر۔ اور یہ وہ اشیا ہیں جن کو مثلی کہتے ہیں۔ اب ان کا مقابلہ یا تو چاندی سونے سے ہو یا اور چیز سے۔ پہلی صورت میں مطلقاً مبیع ہیں۔ چاہے خرید وفروخت میں ان کو عوض ٹھہرایا ہو۔ سونے چاندی کو اور یہ شے مثلی معین ہو یا غیر معین جیسے کوئی یوں کہے میں نے یہ سونا اتنے من گیہوں کو بیچا۔ یا ان گیہوں کے عوض بیچا۔ تو گیہوں بہر حال مبیع ہے پھر وہ گیہوں اگر معین ہیں تو بیع مطلق ہے اور غیر معین ہیں تو سلم کہ اس کی شرائط لازم ہوں گی۔

اور دوسری صورت میں ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہے یا ان کو کسی شے کے عوض بیچنا کہا۔ پہلی تقدیر ہر حالت میں ثمن ہوں گی خواہ معین ہوں یا نہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوں یا ان گیہوں کے عوض بیچا اور بیع بہر حال مطلق ہے چاہے یہ معین ہوں یا نہیں اور وہ گیہوں ذمہ پر لازم ہوں گی۔

اور بر تقدیر دوم اگر یہ چیزیں معین ہوں۔ تو ثمن ہیں جیسے یوں کہا۔ کہ میں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے عوض بیچے۔ اور معین نہ ہوں تو مبیع ہیں۔ جیسے یوں کہے۔ کہ میں نے اتنے من گیہوں اس غلام کے بدلے بیچے اور بیع سلم ہے اس کی شرائط کے ساتھ۔ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ مثلی چیز اگر سونے چاندی کے مقابل ہو۔ تو مطلقاً مبیع ہے۔ ورنہ اگر اس کے عوض بیچنا کہیں تو مطلقہ ثمن ہے۔ ورنہ اگر معین ہو۔ تو ثمن ہے اور غیر معین ہو تو مبیع۔ یہ اس کا

---

[1] تنویر الابصار مع درمختار۔ ۴ / ۲۷۰۔

ایضاح جو علامہ شامی نے یہاں منقح فرمایا مگر ایسے نفیس ضبط کے ساتھ جو شامی میں نہیں۔

اور قسم چہارم وہ کہ حقیقتاً کوئی متاع ہو۔ اور اصطلاحاً ثمن۔ جیسے پیسے۔ تو وہ جب تک چلتے ہیں۔ ثمن ہیں۔ ورنہ اپنے اصل کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اور اصلاً شبہ نہیں کہ اہل اصطلاح جب کسی چیز کو ثمن کرنا چاہیں۔ تو انہیں اس کے اندازہ میں ثمن پیدائشی کی طرف رجوع کرنی ناگزیر ہے۔ کہ عرضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی سے ہوتا ہے تو ۶۴ ہندی پیسے۔ یا اکیس (۲۱) عربی ہللے ایک روپے کے قرار دیتے ہیں۔ یوں ہی اس کے ماسواء ہیں۔ اور انہیں اختیار ہے۔ جیسے چاہیں اصطلاح مقرر کریں۔ کیونکہ اصطلاح میں کوئی روک ٹوک نہیں۔ بیس[2] برس پہلے ہندوستان میں دو طرح کے پیسے رائج تھے۔ ایک سکہ زدہ (ڈبل) دوسرے تانبے کے لمبے لمبے ٹکڑے وزن میں ڈبل پیسے سے قریب دُونے کے (منصوری) ڈبل پیسے روپے کے ۶۴ سے نہ زائد ہوتے نہ کم۔ اور منصوری کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا تھا۔ اور کبھی ایک روپیہ کے اسّی ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ چلن نہ رہا۔ اور جلتے رہے۔ تو یہ سب اصطلاح کی جانب راجع ہے۔ اور اس میں شرع مُطہّر کی طرف سے کوئی روک نہیں۔

جب یہ معلوم ہو لیا۔ تو نوٹ چوتھی قسم سے ہے۔ اصل میں یہ ایک متاع ہے اس لئے کہ ایک پرچہ کاغذ ہے۔ اور اصطلاح میں ثمن ہے۔ اس لئے کہ اُس کے ساتھ ثمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور یہ رقمیں کہ اس پر مرقوم ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمنِ اصلی سے اندازہ ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا تو ایک اصطلاح ہے اُس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ نہ اس کی وجہ و توجیہ دریافت کی جائے گی۔ بحمد اللہ القدیر اس تقریر سے نوٹ کی حقیقت واضح ہو گئی۔ اور تمام احکام اسی پر مبنی تھے۔ تو انشاء اللہ اب کوئی دشواری کسی حکم کے اظہار میں آڑے نہ آئے گی۔ اور سب خوبیاں اللہ کو جو ہر چیز کا نگہبان ہے۔ بلندی والا۔

مسئلہ ۱: نوٹ مال ہے کوئی دستاویز نہیں

جواب سوالِ اول :۔

مع شے زائد واضح ہو لیا۔ اور بڑھانے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ ۲: نوٹ پر زکوٰۃ فرض ہے

جواب سوال دوم :۔

ہاں نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے۔ اس لئے کہ آپ نے جان لیا۔ کہ وہ خود قیمتی مال ہے۔ دستاویز یا رسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے۔ زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو۔ اور نوٹ میں نیتِ تجارت کی بھی حاجت نہیں۔ اس لئے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جب تک رائج ہے زکوٰۃ اس میں واجب ہے۔ بلکہ نوٹ کو نیتِ تجارت سے اصلاً جدائی نہیں کہ بغیر مبادلہ اس سے نفع لے ہی نہیں سکتے جیسا کہ ظاہر ہے۔

فتاویٰ علامہ قاری ہدایہ میں ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ پیسے جب تک رائج رہیں۔ ان پر زکوٰۃ واجب ہے جبکہ دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت پہنچے ہوں۔ انتہیٰ۔ اور نوٹ جو سالِ زکوٰۃ تمام ہونے سے پہلے ملے۔ وہ اپنی جنس کے نصاب۔ یا قیمت لگا کر سونے چاندی سے ملایا جائے گا جیسا تجارتی مال کا حکم ہے۔

مسئلہ ۳، نوٹ مہر ہو سکتا ہے

جواب سوال سوم :۔

اقول۔ ہاں وہ مہر ہو سکتا ہے اسی بنا پر کہ آپ جان چکے جبکہ وقتِ عقد اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو۔ اگر کم ہو گی تو پوری کی جائے گی جس طرح اسباب میں ہے۔

مسئلہ۴: نوٹ چرانے پر ہاتھ کٹے گا

جواب سوال چہارم :-

نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائیگا جبکہ اس کی شرطیں پائی جائیں یعنی چور عاقل بالغ ہو۔ گونگا نہ ہو۔ اندھا نہ ہو۔ نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو۔ اور اس کے سوا جو شرائط ہیں۔ اور جس دن چرایا تھا اور جس دن کاٹیں دونوں دن اس کی قیمت دس درہم سکّہ دار کھری تک پہنچے۔ اور یہ سب اسی بنا پر ہے کہ ہم بیان کر آئے کہ وہ بذاتِ خود ایک قیمت والا مال ہے۔

مسئلہ۵: نوٹ کا تاوان نوٹ دیا جائے گا

جواب سوالِ پنجم :-

اقول۔ ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کردے۔ تو اس کے تاوان میں نوٹ ہی دینا ہوگا۔ او۔ تلف کنندہ کو خاص روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا کہ نوٹ وہ چیز ہے جس کا لین دین گِن کر ہوتا ہے اور دو نوٹوں میں اصلاً تفاوت نہیں سمجھا جاتا جب کہ وہ ایک ٹکسال کے ہوں۔ ہاں ٹکسال جب مختلف ہوں۔ تو اگرچہ سلطنت ایک ہو۔ اکثر قیمت مختلف ہوجاتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ نوٹ الٰہ آباد یا الٰہ آباد کلکتہ کا چلن مشرقی شمالی ممالکِ ہند میں بمبئی کے نوٹ سے زیادہ ہے۔ وہ بالعکس۔ اور بیشتر ایک جگہ کا نوٹ دوسرے مقام پر کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے۔ تو ایک دوسرے کے برابر شمار نہ کیا جائے گا تاوقتیکہ چلن میں برابر نہ ہوں۔

مسئلہ۶: نوٹ داموں سے بیچنا جائز ہے؟

جواب سوالِ ششم :-

اقول۔ ہاں جائز ہے۔ جیساکہ تمام شہروں میں عملدرآمد ہے اور تم اُس کی تحقیق

جان چکے۔

تنبیہ

میں نے جواب میں اسی پر اکتفا کی تھی اس لئے کہ ابتدائے کلام میں جو تقریر گذری اس سے امر واضح ہو چکا تھا۔ جب میں رسالہ ختم کر چکا مجھے بعض علما سلمہ اللہ تعالےٰ سے خبر پہنچی کہ انہوں نے بطورِ مذاکرہ نہ بطورِ مجادلہ یہ فرمایا کہ علامہ ابن عابدین نے ردّ المحتار میں اس مسئلہ پر کہ بیع منعقد ہونے کی شرط مبیع کا مال متقوم ہونا ہے۔ یہ تفریع ذکر کی۔ کہ ایک ٹکڑے روٹی کی بیع باطل ہے۔ کہ جوازِ بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ قیمت ہونا شرط ہے۔ انتہیٰ۔

اور ظاہر ہے کہ اتنا ٹکڑا کاغذ کا ایک پیسہ کی قدر نہیں۔ تو نوٹ کی بیع باطل ہونا چاہیئے۔ کہ اصلاً ہو ہی نہیں سکتی۔ حرام یا مکروہ ہونا تو در کنار۔

اقول وباللہ التوفیق۔ ان عالم[1] نے یہ بات میرا رسالہ دیکھنے سے پہلے کہی اور اس لئے میں نے تمنا کی۔ کہ کاش وہ میرا رسالہ دیکھ لیتے۔ اور اس کے مضامین پر مطلع ہوتے اور اعتراض کا جواب تو خود اُن کے اس کہنے ہی سے ظاہر ہے کہ یہ پرچہ کاغذ ایک پیسہ کا نہیں کہ ان دونوں باتوں میں کھُلا فرق ہے کہ ایک پیسہ کا نہیں اس لئے کہ اب تو وہ سو روپے اور ہزار روپے کا ہے اور شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ کہ اصل میں کیا تھی۔

(ف) تقوّم میں شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ کہ اصل میں کیا تھی

کیا نہیں دیکھتے کہ پکّی اور کچّی مٹی کے برتن چھوٹے اور بڑے گولی اور کونڈے سے لے کر چلم تک اُن کی بیع تمام مسلمانوں میں رائج و معروف ہے۔ اور کوئی اس پر

---

[1] یعنی فاضل حامد احمد محمد جدّادی سلمہ ۱۲

انکار نہیں کرتا۔ حالانکہ اُن کی اصل مٹی ہے اور مٹی مال نہیں۔ اگر اصل کو دیکھیں تو وہ پیسہ کا مسئلہ خود اپنے ہی نفس کا ناقص ہو گا اس لئے کہ تمہیں معلوم ہو چکا کہ تانبے کا پتر جو وزن میں ایک پیسہ کے برابر ہو۔ ہرگز ایک پیسے بلکہ دھیلے کا بھی نہیں ہوتا۔ اور اسی لئے بیاکوں کو پیسہ ڈھالنے کی بہت لت ہوتی ہے ٹکسال کی طرح سانچا بنا کر تانبا گلا کر اس میں ڈالتے ہیں کہ پیسہ ہو جاتا ہے اور اُس میں جتنا خرچ ہوتا ہے اُس سے دونا نفع مل جاتا ہے۔ اور اسے روپے ڈھالنے سے زیادہ نافع بتاتے ہیں۔ تو اصل پر نظر کرنے سے خود ایک پیسہ ایک پیسہ کا نہیں تو مال متقوم نہ ہوا۔ تو پھر کیونکر قیمت اور ثمن ہو سکتا ہے۔

اور ورق کی بات کہ اوپر گذری جو اسے دیکھے گا۔ یقین کرے گا۔ کہ شے کی حالتِ موجودہ دیکھی جاتی ہے۔ نہ حالتِ گذشتہ۔ کیا نہیں دیکھتے کہ شرع میں۔ عقل میں۔ اور عُرف میں عالم کی تعظیم ہے۔ اور اس امر پر نظر نہیں کہ وہ اصل میں ان لوگوں سے ہے جن کی نسبت ربّ عزّ وجل نے فرمایا کہ:۔

(اللہ وہی ہے جس نے تمہیں تمہارے ماؤں کے پیٹ سے اس حال پر پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے[1])

تو یہ اسی سبب سے ہے کہ اس میں ایک وصف پیدا ہو گیا جس کے سبب خالق اور مخلوق سب کے نزدیک اُس کی عزت ہو گئی۔ جو پہلے نہ تھی۔ اور ایسے ہی وہ علم کا ورق اس وجہ سے کہ اُس میں وہ علم لکھ دیا گیا۔ اور ایسے ہی نوٹ جس میں چھاپے کے سبب وہ بات پیدا ہو گئی جس نے نفع کے باعث رغبتوں کو اس کی طرف کھینچ دیا اور طبیعتیں اُسکی طرف میل کرنے لگیں۔ اور اس میں دینا اور روکنا جاری ہوا۔

(ف) مالیت کیلئے یہ ضرور نہیں کہ وہ چیز ہر جگہ مال سمجھی جائے

اور یہ اعتراض کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کہ نوٹ سب شہروں میں نہیں چلتا کہ یہ تو

[1] القرآن ، النحل آیت ۷۸

کسی کے نزدیک مالیت کو لازم نہیں۔ بلکہ سکّہ کی اکثر چیزوں کا یہی حال ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ خمسے اور عشرے اور ہللے جو یہاں (عرب شریف میں) رائج ہیں۔ ہند میں اصلاً نہیں چلتے۔ اور ایسے ہی ہندوستان کے پیسے یہاں نہیں چلتے۔ بخلاف نوٹ کے کہ ہندوستان کا نوٹ یہاں آنکھوں دیکھا رائج ہے۔ اور کچھ کم کو بکنا چلنے کے منافی نہیں نہ اس سے بے رواجی لازم ہے۔ بلکہ میں نے اسی ذوالحجہ میں اسی امان والے شہر (مکہ معظمہ) میں ایک انگریزی نوٹ جس پہ پانسو کی رقم لکھی تھی تینتیس اشرفی اور پانچ روپے کو بھنایا۔ اور یہ اُس کا پورا ثمن ہُوا کہ وہ اشرفیاں چارسو پچانوے روپے کی ہوئیں۔ اور وہ اُن پانچ روپوں سے مل کر پورے پانسو روپے ہو گئے۔

اور بیشک کفائیہ کی اوائل میں باب بیع فاسد میں فرمایا کہ شے کا مال ہونا یوں ہوتا ہے کہ سب لوگ اُسے مال بنائیں یا بعض۔ انتہی[1]۔ اور ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔ اور ردالمحتار میں بحوالہ بحرالرائق کشف کبیر سے نقل کیا۔ کہ مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھا رکھنا ممکن ہو۔ اور مالیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ یا بعض اسے مال بتائیں۔ انتہی[2] تو ظاہر[3] ہو گیا کہ وہ پیسہ کا جس سے ان عالم نے تمسک کیا ہمارے مسئلہ نوٹ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا۔

(ف) مصنّف کی تحقیق کہ صحتِ بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ کی قیمت ہونا کچھ ضرور نہیں

مگر بندۂ ضعیف دوست رکھتا ہے۔ کہ اس مسئلہ کا حال بھی کھول دے تاکہ کہیں دوسری جگہ کوئی اُس سے دھوکا نہ کھائے۔ باوصف اُس دقّت کی جو اُس میں ہے

---

[1] جلال الدین خوارزمی : کفایہ ۶ / ۲۷۱ (ط سکھر)

[2] ردالمحتار ۴/۳ (ط دارالکتب العربیہ) مصر

[3] ابن نجیم : بحرالرائق ۵/ ۲۵۶ (ط : سعید کمپنی کراچی)

کہ اس نے ایسی چیز کو تنگ کر دیا تھا جسے شرع مطہر نے وسیع فرمایا تھا۔

فَاَقُوْلُ وَبِہٖ اَستَعِین۔ اصل اس مسئلہ کی قنیہ سے ہے۔ ردالمحتار نے اسے بحر سے نقل کیا۔ اور بحر نے قنیہ سے۔ اور ان کے شاگرد علامہ غزی نے ان کی متابعت کی۔

(ف) تنویر پر تطفّل

یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس مسئلہ کو اپنے متن تنویر الابصار کی متفرقات البیوع کتاب الصرف سے کچھ پہلے داخل فرمایا۔ حالانکہ تنویر کی اصل یعنی دُرر وغرر اس سے خالی ہے۔ اور اس کے شارح علامہ علائی نے اسے قنیہ ہی کی طرف پھیر دیا۔ بلکہ خود مصنف نے اس کی شرح منح الغفار میں اُس کا اعتراف فرمایا متن کی اس عبارت کے بعد فرمایا کہ اسے بھی قنیہ میں نقل کیا۔ انتہی یعنی جیسے اس سے پہلا مسئلہ بھی قنیہ میں منقول ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کبوتر کی بیٹ جو کثیر ہو۔ اس کی بیع وہبہ صحیح ہے۔ اور قنیہ مشہور ہے کہ اُس کی روائتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں۔

(ف) آداب المفتی سے بعض فوائد

اور علماء نے تصریح فرمائی کہ قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے مقبول نہ ہو گی۔ بلکہ نقص فرمایا ہے کہ قنیہ اگر قواعد کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہو گی جب تک اس کی تائید میں کوئی اور نقل معتمد نہ پائی جائے۔ اور اعتبار مَنْقُول عنہ کا ہوتا ہے نہ ناقل کا۔

اور نقلوں کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوتی جبکہ ایک ہی منقول عنہ اُن سب کا منتہیٰ ہو۔ جیسے کہ میں نے ان تمام باتوں کا بیان اپنی اُس کتاب میں کر دیا جو آدابِ مفتی میں لکھی جس کا نام میں فصل القضاء فی حکم الافتاء رکھا۔ اور ظہیریہ میں حکم فرمایا کہ سجدۂ تلاوت کے بعد بھی قیام مستحب ہے جیسا اس سے پہلے اور یہ مسئلہ تاتارخانیہ اور غنیہ اور مضمرات نے نقل کیا۔ اور ان سے بحر میں اور دُر وغیرہ میں اسی پر چلے۔ باوصف اس کے بحر میں حکم فرمایا کہ

وہ غریب ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا۔ اس کی غرابت کی وجہ یہ ہے کہ تنہا ظہیریہ نے اس مسئلہ کو ذکر کیا۔ اور اسی واسطے بعد والوں نے فقط اسی کی طرف اسے نسبت کیا[1]۔ انتہیٰ۔

(ف) دلیل نقلی سے فرع قنیہ کا ردّ

اور تو جانتا ہے کہ قنیہ کے اس مسئلہ کو اتنی نقول بھی نصیب نہ ہوئیں۔ اور نہ قنیہ مثل ظہیریہ کے ہے تو غرابت اس سے کہاں جائے گی۔ اور کاش وہ صرف غریب ہی ہوتا۔ تو حدیث شاذ کے مثل ہوتا مگر یہ تو حدیث منکر کے ہے اس لئے کہ دونوں مخالفتیں اس کی نقد وقت ہیں کتب مشہورہ کی بھی مخالفت اور قواعد شرع روشن کی بھی مخالفت۔ پہلی مخالفت کے ثبوت کو یہی بس تھا کہ فتح القدیر اور شرنبلالی اور طحطاوی اور ردالمحتار وغیرہا معتمد کتابوں میں فرمایا۔ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا۔ تو جائز ہے۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں بھلائی اور اس سے زیادہ جزا دے۔ کہ انہوں نے کاغذ میں تلے وحدت بڑھادی (یعنی ایک کاغذ) لیکن یہاں تو ایک اور چیز ہے۔ نہایت جلیل وعظیم کہ نہ رد ہو سکے نہ اس پر کوئی آنکھ اٹھا سکے۔ نہ اوہام اس کی گرد پائیں اور وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام آئمہ نے اُن روایات میں جو اُن سے متواتر و مشہور ہیں اجماع فرمایا ہے اور متون و شروح و فتاویٰ مذہب کا اتفاق ہے کہ ایک چھوہارا دو چھوہاروں کو اور ایک اخروٹ دو اخروٹوں کو بیچنا جائز ہے۔ اور فتح القدیر و درّ مختار میں یہ بھی زائد کیا کہ دو سوئیوں کے بدلے ایک سوئی[2] اور ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز ایک پیسہ کی نہیں ہوتی۔ ہمارے شہروں میں معقول گنتی کے چھوہارے ایک پیسہ کے ہوتے ہیں اور یہاں اور بھی سستے ہیں۔ اور ایسے ہی اخروٹ۔ اور وہ ہمارے شہروں میں زیادہ ارزاں ہیں۔ اور ہندوستان

---

[1] ابن عابدین : ردالمحتار ۱۰۵/۵

[2] درمختار : ۲۰۱/۴ علی ہامش ردالمحتار (ط : دارالکتب العربیہ الکبریٰ مصر)

میں ایک پیسہ کی آٹھ سے لیکر پچیس ۲۵ سوئیاں تک ملتی ہیں۔ تو اس مسئلہ قنیہ کی یہ صریح مخالفت ہے تمام کتب مشہورہ بلکہ نصوص جمیع ائمہ مذہب سے ہے۔

اور محقق علی الاطلاق (امام ابن ہمام) نے اگرچہ امام محمد سے امام معلی کی اس روایت کو ترجیح دی کہ دو چھوہارے کے بدلے ایک چھوہارا بیچنا مکروہ ہے۔ مگر وہ کراہت ایک جانب زیادتی کے سبب سے ہے۔ نہ اس لئے کہ چھوہارا ایک پیسہ کی قیمت کا نہیں ہوتا۔ تو اگر مثلاً ایک چھوہارا قسم برنی کا قسم جنیب کے ایک چھوہارے سے بیچے۔ تو اس سے نہ روایت معلی کو کچھ تعلق ہوگا۔ نہ ترجیح محقق کو۔ پھر وہ روایت بھی تو اتنا ہی کہتی ہے کہ مکروہ ہے باطل اور اصلاً منعقد نہ ہونا جس کا تمہیں دعویٰ تھا۔ وہ کہاں گیا۔

(ف) دلیل عقلی سے فرع قنیہ کا ردّ

رہی دوسری مخالفت فَاَقُوْلُ ملک ہند کی اس قدر کبیر و وسیع ہے (جس کا عرض خط استوا سے شمال کی جانب۔ آٹھ درجے سے پینتیس ۳۵ درجے تک ہے۔ اور طول گرینچ سے (کہ لندن کی رصد گاہ ہے) شرق کی جانب چھیاسٹھ درجے یا نوے درجے تک ہے) اس میں اکثر فقراء کی معیشت اسی خرید و فروخت سے ہے۔ جو پیسے کے حصے دھیلے چھدام دمڑی وغیرہ سے ہوتی ہے۔ تو بہتیرے فقیر اپنے سالن کے لئے کوئی ساگ دھیلے کا خرید لیتے ہیں۔ اور اس میں دھیلے کا تیل ڈالتے ہیں۔ اور تینوں مسالے چھدام کے اور لہسن پیاز چھدام کے۔ اور چھدام کا نمک۔ تو پونے دو پیسے میں اس کی ہانڈی تیار ہو جاتی ہے۔ اور اسے صبح و شام دو وقت کر کے کھالیتا ہے۔ اور اپنے چراغ کے لئے دھیلے کا تیل خریدتا ہے جو شام سے آدھی رات تک اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اور میٹھے پانی کی بڑی مشک دھیلے کو۔ اور تھوڑا ہی زمانہ گذرا کہ پیسے کی تین مشکیں تھیں۔ اور دیا سلائی کی ایک ڈبیہ تمہیں دھیلے کو مل جاتی تھی۔ اور اپنے بال بچوں کے لئے ہندوستانی میووں میں سب سے مزے دار میوہ (جسے اہل عرب عَنْبُ (بفتحِ عین وسکونِ نون) کہتے ہیں۔ اور فارسی میں اَنْبہ اور ہندی میں آم بہت سے ایک دھیلے کو۔ اور ایسے ہی جامن اور تمر ہندی یعنی املیاں چھدام

کو۔ اور اگر پان تمباکو کا عادی ہے۔ تو اسے ایک رات دن کے لئے کفایت کریں گے دھیلے کے پان اور کتھا اور چھالیا۔ اور کھانے کا تمباکو چھدام چھدام کے۔ تو اس کی ایکدن کی حاجت سَوا پیسے میں نکل جائے گی۔

اور اگر حقّہ پیتا ہو۔ تو دھیلے کی تمباکو کافی ہے۔ اور اسی طرح بہت سی چیزیں پیسہ کے حصوں سے بکتی ہیں یہاں تک کہ دمڑی اور ادھی۔ اور اگر ایسا نہ ہو۔ تو معاملہ تنگ ہو جائے۔ اور کم استطاعت والوں پر ایسا گراں گذرے کہ اٹھا نہ سکیں۔ اور یہ مبیعیں کہ ہزاراں ہزار مسلمانوں میں شائع ہیں۔ اگر ہم باطل کردیں۔ اور اُن پر لازم کریں۔ کہ کبھی کوئی چیز پیسہ سے کم کی نہ خریدیں حالانکہ ان کی حاجتیں چھدام اور دمڑی میں پوری ہو جاتی ہیں۔ تو یہ اُن پر بھاری بوجھ ڈالنا ہوگا۔ اور یہ روشن و نرم اور آسان شریعت تو نہ آئی مگر بوجھ کے دفع کرنے کے لئے۔ بلکہ اکثر اوقات اتنے پیسے انہیں ملیں گے بھی نہیں۔ اس لئے کہ وہ سالن جو پونے دو پیسے میں تیار ہوتا تھا۔ اب دو آنے سے کم میں تیار نہ ہوگا۔ اور پان کے سوا پیسے میں جس کا کام پورا ہوتا تھا اب ایک آنہ میں ہوگا۔ اور اسی پر قیاس کرو۔

تو وہ جب اپنی ہانڈی کے لئے دو پیسے سے زائد نہ پائے۔ اور تم دو آنے اس پر لازم کرو۔ تو بتاؤ کیا کرے۔ آیا روکھا آٹا پھلنکے۔ یا جَو کی خشک روٹی چبائے جس کے ساتھ کوئی سالن ایسا نہ ہو۔ کہ اس کی اصلاح کرے۔ اور اُسے نگلنے کے قابل بنائے۔ اور اُس کے ہضم پر اعانت کرے اور جنہیں سالن کی عادت پڑی ہوتی ہے۔ اور تمام آدمی یا اکثر ایسے ہی ہیں اگر اس پر قناعت کریں تو اُنہیں راس نہ آئے۔ اور اُن میں بیماریاں پیدا کردے کہ عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے۔ یا یہ کہتے ہو کہ بھیک مانگے۔ اور بھیک مانگنا ذِلّت و حرام ہے۔ یا دوسروں کا مال چھین لے۔ اور چھیننے میں سخت غضب اور سزا ہے۔ یا بیچنے والوں اور ترکاری فروشوں اور بہشتیوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان کی تمام حاجت کی چیزیں انہیں مفت دے دیں اس لئے کہ وہ ایک پیسہ کی قیمت کی نہیں۔ اور جو ایک پیسہ کی نہیں۔ وہ مال نہیں اور نہ اس کی کوئی قیمت تو بیچنے والے اس پر کیونکر راضی ہونگے اور اگر راضی

ہو جائیں۔ تو ایک فقیر کو دوسرے فقیر پر ترجیح نہیں۔ تو چاہیئے کہ ہر ایک کو اُس کی ضروریات مُفت دیں تو اُن کی تجارتیں یوں ہی جاتی رہیں۔ تو ثابت ہوا کہ کوئی راستہ نہیں بجز اس کے کہ بیع کا دروازہ کھولا جائے۔ اور بیشک قرآن عظیم نے اسے اس مطلق ارشاد سے کھولا ہے۔ (کہ حلال کی اللہ تعالیٰ نے بیع[1]) اور اس ارشاد سے (مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا[2]) اور بیع کا مشروع کرنا انہی قباحتوں کے دفع کرنے کو تھا۔ تو اس کے تنگ کرنے میں حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے واسع فرما چکا ہے اُنہی قباحتوں کا پلٹ آنا ہے اور مقصود شرع پر اس کے توڑنے کے ساتھ عود کرنا ہے۔ محقق نے فتح القدیر میں فرمایا۔ اگر بیع ثمن و مبیع دونوں کی تملیک کا سبب بنا کر جائز نہ کی جاتی۔ تو حاجت پڑتی کہ یا تو زبردستی یا دھینگا دھینگی لیتے۔ یا بھیک مانگتے۔ یا آدمی صبر کرتا یہاں تک کہ مرجائے۔ اور ان سب باتوں میں کھلا ہوا فساد ہے۔ بھیک میں ذلّت و خواری ہے جس پر ہر شخص قادر نہیں۔ اور آدمی کو حقیر کرتی ہے۔ تو بیع کے مشروع کرنے میں محتاج مکلفوں کی بقا ہے اور عمدہ انتظام کے ساتھ ان کی حاجتوں کا پورا کرنا ہے۔ اِنتہیٰ[3]۔

اور معلوم ہے کہ شرعِ مُطہّر نے اس بارے میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی۔ بس بیع حلال کی ہے۔ اور وہ ایک کا مال دوسرے مال سے بدلنا ہے الخ۔ اور مال جیسا کہ گذر چُکا وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھا رکھنا ممکن ہو۔ اور یہ تعریف یقیناً ان چیزوں پر صادق ہے جو ہم نے اوپر بیان کیں جو دھیلے اور چھدام کو آتی ہیں۔ تو یہ واجب کرنا کہ پیسہ سے کم کو بیع نہ ہو نہ ہوگا مگر زبردستی اور شرع پر زیادت تو کیونکر مقبول ہو۔ پھر شاید کہنے والا کہہ سکے کہ شریعت نے پیسہ کی مقدار مقرّر فرمائی نہیں۔ اور وہ وقت اور جگہ کے لئے سے بدلتا ہے۔ اور اس طرف راہ نہیں کہ ہر جگہ

---

[1] البقرہ : آیت ۲۷۵

[2] النساء : آیت ۲۹

[3] امام ابن ہمام : فتح القدیر ۵/۷۴ (ط مطبعۃ الکبریٰ مصر

وہیں کا پیسہ معتبر ہو۔ کہ اوپر گذر چکا کہ مالیت بعض کے مال بنانے سے بھی ثابت ہو جاتی ہے تو واجب ہوا کہ ہر وقت اس کی تلاش کریں کہ تمام دنیا میں سب سے چھوٹا پیسہ کونسا ہے اور اس میں حرج ہے۔ اور حرج کو نص نے دفع فرمایا ہے فَافْهَمْ۔

اور بیشک کفایہ کے شروع باب بیع فاسد میں فرمایا کہ کبھی شے میں باقیمت ہونے کی صفت بغیر مالیت بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ گیہوں کا ایک دانہ مال نہیں ہے یہاں تک کہ اس کی بیع صحیح نہیں۔ اگرچہ اس سے نفع حاصل کرنا شرعاً جائز ہے اس لئے کہ لوگ اسے مال نہیں سمجھتے۔ انتہی[1] اور ایسا ہی کشف کبیر و بحر الرائق اور ردّ المحتار میں ہے۔ اور فتح القدیر میں ایک دانہ کی جگہ چند دانے فرمایا۔ اور ہم نے ان میں سے کسی کو یہ فرماتے نہ دیکھا۔ کہ ایک پیسہ سے کم کی چیز مال نہیں۔

(ف) مسئلہ قنیہ کے لئے ایک توجیہ پیدا کرنی

اور شاید اس مسئلہ قنیہ کی بنا اس پر ہو کہ ان سے زمانے میں پیسے سے کم کوئی ثمن نہ تھا یا یہ کہ شرع مطہر نے جو اندازے مقرر فرمائے اُن میں پیسے سے کم نہ پایا۔ تو یہ حکم لگا دیا۔ کہ ایک پیسے سے کم کی چیز جو ہو وہ کچھ نہیں۔ جیسے اسرار میں کم فرمایا۔ کہ جو چاندی یا سونا رتّی بھر سے کم ہو اس کی کچھ قیمت نہیں جیسا کہ اُن سے فتح القدیر میں نقل فرمایا۔ اس لئے کہ اُن علماء نے چاندی سونے کے لئے رتّی سے کم کوئی اندازہ نہ پہچانا اور ہمارے شہروں میں اس کا اندازہ رتّی کے آٹھویں حصہ (ایک چاول تک) معروف ہے۔ اور آجکل ہمارے یہاں چاول بھر سونے کی قیمت دو پیسے ہے یعنی یہاں کے ایک ہلہ کے قریب۔ وہ بلا شبہ قیمت والا مال ہے نہ کہ وہ جو اس سے بھی زیادہ ہے۔ جو پاؤ رتّی یا نصف رتّی یا اس سے زائد کا ہو ایک رتّی تک۔ اور جیسے بہت علماء نے حکم فرمایا۔ کہ نصف صاع سے جو کم ہو وہ اندازہ سے باہر ہے۔ تو اُس میں ایک چیز اپنی جنس کے بدلے کمی بیشی

---

[1] کفایہ مع فتح القدیر : ۶/۴۴

کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔ اور وہ مسئلہ کہ ایک لپ گیہوں دو لپ کے بدلے بیچنا جائز ہے اسی پر متفرع ہے۔ اور محقق فی فتح القدیر میں اس کا رد کیا۔ یہ فرماتے ہوئے کہ اس حکم پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا۔ بلکہ جب حرمت کی وجہ لوگوں کا مال محفوظ رکھنا ہے تو اس پر نظر کر کے واجب ہے کہ دو سیب کے بدلے ایک سیب۔ اور دو لپ کے بدلے ایک لپ کا بیچنا حرام ہو۔ اگر نصف سے چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں۔ جیسے ہمارے دیا مصر میں چہارم پیالہ اور پیالہ کا آٹھواں حصہ مقرر ہے جب تو کوئی شک نہیں اور یہ بات کہ شرع نے واجبات مالیہ مثل کفارہ وصدقہ فطر میں جو اندازے مقرر فرمائے ہیں ان میں نصف صاع سے کم کوئی اندازہ نہ رکھا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تفاوت جو یقیناً معلوم ہے بے اثر کر دیا جائے[1] الخ اور محقق کے اس کلام کو بحر اور نہر اور شرنبلالیہ اور در مختار اور حواشی وغیرہا میں مقرر رکھا اور وہ اچھا اور موجہ کلام ہے۔ ایسا ہی ہم یہاں کہتے ہیں کہ جب مال کی تعریف وہ ٹھہری جو اوپر گذری۔ تو واجب ہے کہ جتنی چیزیں اوپر ذکر کیں جو ایک پیسہ کی نہ تھیں۔ سب قیمت والے مال ہوں۔ تو اگر پیسہ سے چھوٹے ثمن پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے شہروں میں چھدام اور دمڑی مقرر ہیں جب تو شک نہیں۔ اور یہ کہ شرع مطہر نے پیسہ سے کم کا ذکر نہ فرمایا۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مالیت یقیناً معلوم ہے باطل کر دی جائے۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ : نوٹ قرض دینا جائز ہے اور بدلے میں نوٹ ہی ملے گا

اقول۔ ہم تمہیں بتا چکے۔ کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے۔ تو کپڑے سے اس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا۔ بلکہ بیع مطلق ہوگا۔ اور خاص کوئی معین نوٹ دینا نہ آئے گا۔ بلکہ

---

[1] امام ابن ہمام : فتح القدیر ۵/۹ - ۲۷۸

پیسوں کی طرح ذمہ پر لازم آئے گا۔

مسئلہ ۸ : نوٹ قرض دینا جائز ہے اور بدلے میں نوٹ ہی ملے گا

جواب سوالِ ہشتم :-

اقول ۔ ہاں نوٹ قرض دینا جائز ہے اس لئے کہ اوپر گذر چکا کہ وہ مثلی ہے اور مثل ہی کے دینے سے ادا کیا جائے گا۔ قرض کی یہی شان ہے ۔ بلکہ کوئی دَین ادا نہیں کیا جاتا مگر اپنی مثل سے مگر یہ کہ طرفین (کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر) راضی ہو جائیں۔

مسئلہ ۹ : روپوں کے بدلے نوٹ قرضوں بیچنا جائز ہے

جواب سوالِ نہم :-

اقول ۔ ہاں جائز ہے جبکہ اسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ طرفین دَین کے بدلے دین بیچ کر جدا نہ ہوں ۔ اور تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں ۔ جیسے روپے کے بدلے پیسے ۔ تاکہ دونوں طرف کا قبضہ شرط ہو۔ اس لئے کہ صرف یہ ہے کہ جو چیز ثمن ہونے کے لئے پیدا کی گئی۔ اسے ایسی چیز کے ساتھ بیچیں جیسا کہ اس کی یہ تعریف ہے بحر و دُر وغیرہ میں فرمائی[1] اور معلوم ہے کہ نوٹ اور پیسے ایسے نہیں ان میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب عارض ہو گیا ۔ جب تک چلتے رہیں ۔ ورنہ وہ متاع ہیں[2] اور اس کے بیع صرف نہ ہونے کی ردالمحتار باب ربا میں بحر او س میں ذخیرہ اس میں مشائخ سے تصریح فرمائی ۔ ہاں اس لئے کہ وہ چلن کے

---

[1] درمختار مع ردالمحتار ، ۴ / ۲۶۱

[2] ردالمحتار : ۴ / ۲۰۱

سبب ثمن ہے۔ دونوں طرف میں سے ایک کا قبضہ ضرور ہے ورنہ حرام ہو جاوے گا۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دَین سے دَین کو بیچنے سے منع فرمایا ہے مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں اس مسئلہ کی تصریح کی ہے۔ اور اسی پر اعتماد کیا۔ محیط[1] اور حاوی اور بزازیہ اور بحر اور نہر اور فتاوی حانوتی اور تنویر اور درّ اور ہندیہ وغیرہا میں۔ اور وہی مفاد ہے کلام اسبیجابی کا۔ جیسا کہ شامی نے بحوالہ بحران سے نقل کیا۔ ہندیہ میں مبسوط سے ہے کہ کسی نے روپوں کے عوض پیسے خریدے۔ روپے تو اس نے دیدیئے اور پیسے بائع کے پاس نہ تھے تو بیع جائز ہے[2]۔ انتہی۔ نیز عالمگیری میں حاوی وغیرہ سے ہے۔ جب ایک روپے کے سو پیسے خریدے۔ روپے پر تو اس نے قبضہ کر لیا اور پیسوں پر اس کا قبضہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ اُن کا چلن جاتا رہا تو قیاس یہ ہے کہ بیع باطل نہیں اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کر چکا تھا۔ اس کے بعد چلن جاتا رہا۔ تو نصف میں بیع باطل ہو جائے گی۔ اور اگر چلن رہے تو بیع فاسد نہ ہو گی اور خریدنے والا باقی پیسے لے لے گا[3]۔ انتہیٰ۔ نیز اس میں محیط سرخسی سے اسی کے مثل ہے۔ اسی میں ذخیرہ سے ہے اگر روپے کے بدلے پیسے یا غلّہ خریدا یہاں تک کہ وہ عقد صرف نہ ہوا اور بائع مشتری ایک ہی طرف کا حقیقۃً قبضہ ہو کر جدا ہو گئے۔ تو جائز ہے۔ ہاں اگر کسی طرف کا قبضہ حقیقتاً نہ ہوا صرف ایک طرف کا حکماً ہوا تو جائز نہیں۔ خواہ وہ عقد صرف ہو یا نہ ہو۔ بیان اس کا یہ ہے۔ ایک شخص کا دوسرے پر پیسہ یا غلّہ آتا تھا۔ تو اس نے جس پر پیسہ یا غلّہ آتا ہے اُنہی پیسوں یا غلّہ کو روپے سے خرید لیا۔ اور روپے دینے سے پہلے جدا ہو گئے تو بیع باطل ہو گئی۔ اس مسئلہ کا یاد رکھنا واجب ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں[4]۔

---

[1] ای محیط الامام شمس الائمۃ السرخسی اھ منہ

[2] الفتاوی الہندیہ (عالمگیری ۳/۲۲۴ (ط پشاور)

[3] عالمگیری ۳/۲۲۵

[4] عالمگیری ۳/۱۰۲

اور اسی میں ذخیرہ سے ہے کسی کو ایک روپیہ دیا۔ اور کہا کہ آدھے کے اتنے پیسے دیدے اور آدھے کی اٹھنی۔ تو یہ جائز ہے۔ پھر اگر اٹھنی اور پیسوں پر قبضہ سے پہلے وہ دونوں جدا ہو گئے تو پیسوں میں برقرار ہے اٹھنی کے حصہ میں باطل ہو گئی اور اگر روپیہ بھی نہیں دیا تھا۔ اور ویسے ہی وہ دونوں جدا ہو گئے تو اٹھنی اور پیسے سب میں باطل ہو گئی۔ انتہیٰ۔

نیز اسی میں اس سے ہے۔ کوئی چیز پیسوں کی خریدی۔ اور پیسے دیدیئے اور دونوں جدا ہو گئے پھر بائع نے ان میں ایک پیسہ کھوٹا پایا۔ اور اسے واپس دے دیا اور اس کے بدلے اور پیسہ لیا۔ تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع کے ثمن تھے۔ تو عقد باطل نہ ہوا۔ خواہ وہ جو واپس دیئے تھوڑے پیسے تھے یا زیادہ اور بدلے میں دوسرے پیسے لئے یا نہیں۔ اور اگر وہ پیسے روپوں کے ثمن تھے۔ اب اگر روپوں پہ قبضہ ہو چکا تھا۔ اس صورت میں کھوٹا پھیرا۔ اور اس کے بدلے میں کھرا لیا یا نہ لیا تو عقد بدستور صحیح ہے۔ اسی طرح اس صورت سب پیسے کھوٹے پائے اور روا پس دیئے اور ان کے عوض کھرے لئے یا ابھی نہ لئے جب بھی بیع صحیح رہے گی۔

اور اگر روپوں پر قبضہ نہیں ہوا تھا اگر سب پیسے کھوٹے پائے اور واپس دیئے تو بیع امام اعظم کے نزدیک باطل ہو گئی اگرچہ اسی مجلس میں کھرے بدل لئے ہوں یا نہیں اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسی مجلس میں کھرے بدل لئے تو بیع بدستور صحیح ہے اور اگر نہ لئے تو بیع ٹوٹ گئی۔

اور اگر کچھ پیسے کھوٹے پاکر واپس دیئے تو قیاس یہ ہے کہ اتنے میں بیع باطل ہو جائے۔ مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ استحساناً فرماتے ہیں کہ اگر واپس دیئے ہوئے پیسے تھوڑے ہوں اور اسی جلسے میں بدلے کے پیسے لے لئے جائیں۔ تو عقد اصلاً نہ ٹوٹے گا۔

اور یہ کہ تھوڑے کتنے کو کہیں گے۔ اس میں امام صاحب سے روائتیں مختلف آئیں۔ ایک روایت میں یہ ہے، کہ نصف سے زائد کثیر ہیں۔ اور اس سے کم قلیل۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نصف بھی زائد ہے۔ اور ایک روایت میں تہائی

سے زیادہ ہو تو کثیر ہے۔[۱] انتہی ملخصاً

اور ہم نے ذخیرہ سے نقول بکثرت اس واسطے ذکر کیں کہ اس سے ایک نقل اس کے مخالف آنے والی ہے ایک پیسہ دو پیسے سے بیچنے کے مسئلہ میں۔ تو یہ تجھے یاد رہے کہ ذخیرہ نے ہمارے اس مسئلہ یعنی روپوں کے عوض پیسے بیچنے کے بارے میں متعدد جگہ جواز پر جزم فرمایا ہے اور یہاں اصلاً کسی ذکرِ خلاف کے قریب بھی نہیں گئے۔

اور تنویر الابصار اور درمختار میں ہے کہ پیسوں یا روپوں یا اشرفیوں کے عوض پیسے بیچے۔ اور ایک طرف کا قبضہ ہو گیا تو جائز ہے۔ اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہوا کہ جُدا ہو گئے تو ناجائز ہے۔[۲] انتہی۔

الحاصل مسئلہ ظاہر ہے اور نقلیں وافر ہیں اگرچہ علامہ قاری الہدایہ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی مخالفت فرمائی کہ دونوں جانب کا قبضہ شرط کیا اور کسی طرف ادھار ہونے کو حرام ٹھہرایا۔

اس کی عبارت یہ ہے (سوال ہوا) کہ آیا ایک مثقال سونا پیسوں کی ڈھیری سے اُدھار بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب دیا) کہ پیسے سونے یا چاندی کے عوض اُدھار بیچنا ناجائز ہے اس لئے کہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دو چیزیں جو تول کر بیچی جاتی ہوں (جیسے سونا چاندی تانبا) ان میں ایک کی دوسری سے بدلی جائز نہیں۔ مگر اُس صورت میں کہ وہ موزون چیز جو بذریعہ سلم وعدہ پر لینی ٹھہری ہے مبیع ہو۔ قسم ثمن سے نہ ہو۔ جیسے زعفران وغیرہ اور پیسے جنس مبیع سے نہیں ہیں بلکہ ثمن ہو گئے ہیں۔ انتہی

اور علامہ حانوتی نے اُس کا رد فرمایا کہ ان سے پیسوں کے عوض سونا اُدھار بیچنے کی نسبت سوال ہوا۔ جواب دیا کہ جائز ہے اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہو گیا۔ اس لئے

---

[۱] الہندیہ : ۳/۲۲۶

[۲] درمختار مع ردالمحتار ، ۴/۲۰۴

کہ بزازیہ میں ہے کیا اگر ایک روپے کے سو پیسے خریدے تو ایک جانب کا قبضہ کافی ہے۔ پھر فرمایا۔ اسی طرح اگر چاندی یا سونا پیسوں کو بیچیں جیسا کہ بحر میں محیط سے ہے۔ فرمایا۔ تو وہ جو فتاویٰ قاری ہدایہ میں واقع ہوا۔ اس سے دھوکا نہ کھایا جائے۔ انتہیٰ۔

اور اس اعتراض کا نہر میں جواب دیا یہ کہ یہاں قاری ہدایہ کی مراد بیع سے بدلی ہے۔ اور پیسوں کو ایک مشابہت ثمن سے ہے اور ثمن کی ثمن سے بدنی صحیح نہیں اور اس حیثیت سے کہ پیسے اصل میں متاع نہیں ایک جانب کا قبضہ کافی سمجھا گیا۔[1]

اقول۔ یہی اُن کی اس دلیل سے مستفاد ہے کہ ہمارے علماء نے نص فرمایا کہ دو چیزیں جو وزن سے بیچی جاتی ہوں ان میں بدلی جائز نہیں الخ مگر علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس پر قناعت نہ فرمائی اور یوں جواب دیا کہ علامہ قاری ہدایہ کا کلام اس مسئلہ پر محمول ہے جو کلام جامع صغیر سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں طرف سے قبضہ شرط ہے۔ اور کہا۔ تو اب اُس پر مسئلہ بزازیہ سے اعتراض نہ ہوگا۔ کہ وہ اس پر محمول ہے جو مبسوط امام محمد میں ہے۔ اور اس سے کچھ پہلے بحوالہ بحر ذخیرہ سے نقل کیا کہ امام محمد نے مبسوط کی کتاب الصرف میں ایک پیسہ دو پیسے معین کے بدلے بیچنے کا مسئلہ ذکر فرمایا اور طرفین کا قبضہ شرط نہ کیا۔ اور جامع صغیر میں وہ عبارت ذکر فرمائی جو دلالت کرتی ہے کہ وہ شرط ہے تو مشائخ میں بعض نے اس حکم ثانی کی تصحیح نہ کی کہ تعین کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ بیع صرف میں شرط ہے۔ اور یہ وہ نہیں۔ اور بعض نے اس کی تصحیح کی۔ اس لئے کہ پیسوں کے لئے ایک جہت سے متاع کا حکم ہے اور ایک جہت سے ثمن کا۔ تو پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی۔ اور دوسری کے سبب طرفین کا قبضہ شرط ہوا۔[2]

۱؎ ردالمحتار : ۴ / ۲۰۵

۲؎ " " "

(ف) اس معنی کی تضعیف جو اُن علماء نے جامع صغیر سے سمجھی اور علامہ شامی نے قاری الہدایہ کی اس سے تائید کی اور ذخیرہ و بحر وغیرہما پر تطفُّل

اقول - وباللہ التوفیق وہ جس کی طرف شامی نے باتباع بحر اور بحر نے باتباعِ ذخیرہ مَیل کیا کہ جامع صغیر کا کلام قبضہ طرفین شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ بندۂ ضعیف کو اس میں تامّل قوی ہے۔ اور میں نے جامع کی طرف رجوع کی تو اس کی عبارت یوں پائی۔ امام محمد روایت کرتے ہیں امام ابو یوسف سے اور وہ امام اعظم سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ایک شخص نے پیٹ کی دو رطل چربی ایک رطل چکنی کو بیچی۔ یا دو رطل گوشت ایک رطل چربی کو۔ یا ایک انڈا دو انڈے یا ایک اخروٹ دو اخروٹ یا ایک پیسہ دو پیسے کو۔ یا ایک چھوہارا دو چھوہارے کو دست بدست کہ دونوں معین ہوں۔ تو جائز ہے اور یہی قول ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ایک پیسہ دو پیسے کو جائز نہیں۔ اور ایک چھوہارا دو چھوہارے کو جائز ہے۔ ختم ہوا اُن کا کلام شریف پاک کیا گیا ان کا سرّ معظم[1] تو موضعِ سند ان کا یہی قول ہے کہ دست بدست۔ مگر جس نے فقہ کی مزاولت کی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ یہ لفظ اس میں صاف نص نہیں کہ دونوں جانب کا قبضہ ہاتھوں سے ہو جائے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اس لفظ کو ربا کی حدیث مشہور میں تعین کے ساتھ تفسیر کیا جیسا کہ ہدایہ میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ دست بدست کے یہ معنی ہیں کہ دونوں جانب تعین ہو جائے۔ (کسی طرف دَین نہ رہے) جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا[2] انتہیٰ

---

[1] امام محمد بن الحسن الشیبانی جامع صغیر مطبع یوسفی لکھنؤ ص : ۹۷ -

[2] ہدایہ ۲ / ۸۳

اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ قبضۂ طرفین صرف صرف میں شرط ہے اور اس کے سوا اور صورتیں جنمیں ربا جاری ہو سکتا ہے ان میں فقط تعین شرط ہے جیساکہ ہدایہ وغیرہ میں ہے اور تنویر الابصار میں ہے کہ جس مال میں ربا کا احتمال ہے وہاں ماوراۓ صرف میں مال کا فقط عین ہونا معتبر ہے قبضۂ طرفین شرط نہیں۔ درمختار میں فرمایا یہاں تک کہ اگر گیہوں کے بدلے گیہوں بیچے۔ اور ان دونوں کو معین کر دیا اور بے قبضہ کئے ہوئے جدا ہو گئے تو جائز ہے[۱]۔ انتہیٰ

(ف) اُن پر ایک اور تطفل

تو امام محمد کا یہ قول عبارت مذکورہ میں اگر قبضۂ طرفین پر حمل کیا جائے۔ اور اس سے یہ مطلب نکالا جائے کہ پیسوں کی باہم بیع میں قبضۂ طرفین شرط ہے تو خرموں اور انڈوں اور اخروٹوں کی باہم بیع میں بھی اس کا شرط ہونا لازم آئے گا۔ ان کے نزدیک جو یہ کہتے ہیں کہ یہ قید اُن تمام مسائل کی طرف راجع ہے جیسے نہر الفائق اور درمختار وغیرہما۔ اس لئے کہ وہ سب مسئلے ایک ہی روش پر بیان میں آئے ہیں۔ خصوصًا عبارت جامع صغیر میں۔ کہ اس میں تو یہ قید بیع خرما کے بعد مذکور ہے اور پیسوں کی بیع اس سے پہلے ذکر فرمائی ہے۔ اور یہ ہمارے آئمہ میں سے کسی کا قول نہیں۔ تو واجب ہوا کہ دست بدست بمعنی تعین لیں۔

(ف) اُن پر ایک اور تطفل

اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد کہ معین ہوں اس بدست بدست کی تفسیر ہو۔ ورنہ محض بے کار بھرتی ہو گا جس کا کچھ فائدہ نہیں۔ کہ قبضۂ طرفین میں تعین مع زیادت ہے۔ تو اس کے بعد اس کا ذکر فضول ہے۔ اس لئے جب امام برہان الدین

---

[۱] درمختار مع شامی ۴/۳۔ ۲۰۳

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جامع صغیر سے اس مسئلہ کو نقل کیا۔ تو دست بدست کا لفظ اس سے ساقط فرمایا۔ اور صرف تعین کا ذکر کیا۔ جہاں کہ ہدایہ میں کہا کہ فرمایا (یعنی امام محمد نے جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی نے بنایہ میں تصریح کی) ایک انڈا دو انڈے کو اور ایک خرما دو خرمے کو اور ایک اخروٹ دو اخروٹ کو بیچنا جائز ہے۔ اور ایک پیسہ دو پیسے معین کو جائز ہے[۱] انتہیٰ تو پھر دن چڑھے کے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا۔ کہ جامع صغیر میں اس پر کچھ دلالت نہیں جو یہ اکابر سمجھے۔ اور اگر فرض بھی کر لی جائے۔ تو اس کے ساتھ دوسرا احتمال بھی موجود ہے۔ ظاہر تر روشن تر کہ نہ رد ہو۔ نہ اس کی طرف کوئی بُرا قصد کر سکے۔ اور احتمالی بات حجت نہیں ہوتی۔ بخلاف عبارت مبسوط کے کہ وہ قبضہ طرفین شرط نہ ہونے میں نص اور کیسی نص ہے جیسا کہ سُن چکے۔ تو اسی پر اعتماد ہونا چاہیئے اور توفیق اللہ عظمت والے بادشاہ کی طرف سے ہے۔

(ف) علامہ شامی پر متعدد معروضات

پھر اتنا معلوم رہے کہ یہ سب کچھ ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ ان کی روش پر چلنا تھا۔ اور مقصود مفاد جامع صغیر کا ظاہر کرنا ورنہ حق یہ ہے کہ فتویٰ علامہ قاری الہدایہ کو اس کی کچھ حاجت نہیں کہ عبارت جامع کو قبضہ طرفین شرط کرنے پر محمول کیجے۔ اور[۲] نہ وہ ان کا مدعی ہے اور[۳] نہ اس پر ان کا دعویٰ موقوف کہ وہ تو ادھار کو حرام بتا رہے ہیں اور اس کی حرمت دونوں طرف عین ہونے کو بھی واجب[۴] نہیں کرتی نہ کہ قبضہ طرفین۔ کیا نہیں دیکھتے۔ کہ کوئی کپڑا ایک روپے نقد کو بیچنا نہ تو اُدھار ہے نہ اس میں دونوں جانب

---

[۱] علامہ عینی۔ بنایہ شرح ہدایہ ۳/ ۵۴ (ط ملک سنز فیصل آباد [۲] کہ وہ تو اسے سلم مان رہے ہیں اور تم صرف کی طرف پھیرتے ہو [۳] کہ ثمن میں سلم اصلاً جائز نہیں چاہے اس چیز میں ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن میں ثمن کی بدنی یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن میں مبیع کی بدنی ۱۲ منہ۔

[۴] واجب تو جب کرتے کہ ادھار نہ ہونے کو دونوں طرف معین ہونا لازم ہوتا اور ایسا نہیں بلکہ کبھی دونوں باتیں معدوم ہوتی ہیں کہ نہ ادھار ہو نہ دونوں جانب عین۔ جیسے مثال مذکور میں۔ ۱۲ منہ

عین۔ ہاں دونوں طرف عینیت کا واجب کرنا اُدھار کی حُرمت کو لازم کرتا ہے اس لئے کہ وعدہ مقرر کرنا اس غرض سے ہوتا ہے کہ شے کے حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ اور عین خود ہی فی الحال حاصل ہے تو اگر جامع کی عبارت سے علامہ قاری الهدایہ کے لئے اس طرز استدلال کیا جاتا تو اس کی ایک وجہ[1] ہوتی۔ اور اعتراض مذکور سے مخالفت رہتی۔

(ف) اُن پر ایک اور معروضہ

اور اب میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے توفیق ہے تم پر ظاہر ہے کہ دونوں طرف سے تعین کی شرط اموالِ ربا میں ہے۔ اور وہ دو چیزیں ہیں جو ماپ یا تول سے بکتی ہیں۔ نہ کہ وہ گنتی سے۔ جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ کی باب السلم میں تصریح ہے جہاں کہ فرمایا کہ یہ صرف اموالِ ربا میں منع ہے۔ جبکہ اپنی جنس کے ساتھ بیچے جائیں۔ اور گن کر بکنے کی چیزیں اموالِ ربا

[1] کہ وہ اس حکم پر دلیل ہوتا ہے انہوں نے فتویٰ دیا۔ یعنی ناجائز ہونا۔ اگرچہ یہاں صرف کے سبب ہوا نہ سلم کی جہت سے۔ اور اسی باب سے ہے وہ جو ہندیہ میں محیط سے ہے جہاں انہوں نے اس کے مسائل ذکر کئے ہیں۔ کہ غلہ قرض لینے والا اس قرض غلہ کو قرض دینے والے سے سو روپے کو مول لے اور یہ کہ وہ جائز ہے جبکہ وہ غلہ خریدے جو اس کے ذمہ پر لازم ہوا ہے (نہ بعینہ وہ غلہ جو قرض لیا ہے) اور قیمت اسی جلسے میں ادا کر دے ورنہ حرام ہوگا۔ کہ دونوں طرف ادھار چھوڑ کر جدا ہو گئے۔ پھر فرمایا۔ ہر ماپ تول کی چیز میں یہی حکم ہے سوا روپے اشرفی پیسوں کے جب وہ قرض ہوں[2]۔ انتہیٰ

تو پیسوں کو بھی روپوں اشرفیوں کی طرح انہی چیزوں میں سے قرار دیا کہ جب وہ ذمہ پر قرض ہوں تو اُن کا خرید ناجائز ہے۔ اگرچہ قیمت اسی جلسہ میں ادا ہو جائے۔ اور صحیح وہ ہے جو ہم بحوالہ ہندیہ ذخیرہ سے نقل کر چکے ہیں کہ ماسواء صرف میں منع صرف یہ ہے کہ دونوں طرف میں سے کسی پر حقیقۃً قبضہ نہ کریں۔ اگرچہ ایک پر قبضہ حکمی ہو (جیسے ذمہ پر کا قرضہ کہ حکماً مقبوض ہے) مگر جب ایک پر حقیقی قبضہ ہو جائے تو جائز ہے[2]۔ اور ایسا ہی رد المحتار میں ذخیرہ سے ہے غرض یہ کہ اسے صرف ٹھہرانا اس سے پھیرنا ہے جس پر ہمارے عام علماء نے متعدد کتابوں سے نص فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

[1] فتاویٰ ہندیہ : ۳/۲۰۵ [2] فتاویٰ ہندیہ : ۳/۱۰۲

میں سے نہیں [1] انتہیٰ جیساکہ کنز کے اس قول کی شرح میں جب دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال ہیں۔ بحر الرائق میں فرمایا۔ یعنی جب قدر و جنس دونوں نہ ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں تو ہرات کے بنے ہوئے ایک کپڑے کو مرد کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اور انڈوں کے عوض اخروٹ اُدھار بیچنا [2] اور کنز نے جو فرمایا کہ سوا صورت صرف کے اموالِ ربا میں تعین معتبر ہے نہ قبضۂ طرفین اس کے نیچے بحر نے فرمایا۔ بیان اس کا وہ ہے جو امام اسبیجابی نے اپنے اس قول میں ذکر کیا کہ جب ماپ کی چیز ماپ کی چیز سے یا تول کی چیز تول کی چیز سے بیچے خواہ دونوں ایک جنس کی ہوں یا دو جنس مختلف تو بیع جائز نہ ہوگی مگر اس شرط سے کہ وہ دونوں ایک معین چیز ہوں جس پر عقد وارد کیا گیا۔ خواہ وہیں حاضر ہو یا غائب۔ ہاں اس کی ملک میں موجود ہونا چاہیئے [3] الخ

پیسوں کی باہم بیع میں جو عینیت کو واجب کیا اس کی یہی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر ایک پیسہ معین دو پیسے غیر معین کے عوض بیچے گا تو بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ معین پیسہ رکھ چھوڑے اور مشتری سے ایک پیسہ اور مانگے۔ یا وہ معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر وہی پیسہ مع ایک اور پیسہ کے اس سے واپس لے کیونکہ مشتری کے ذمہ پر اس کے دو پیسے آتے ہیں تو بائع کا اپنا مال تو اس کی طرف بعینہٖ لوٹ آیا۔ اور دوسرا پیسہ بلا معاوضہ رہ گیا۔

اور یوں ہی اگر دو معین پیسے ایک غیر معین پیسہ کو بیچے تو مشتری دونوں پیسے لے لے گا۔ اور اس کے ذمہ جو ایک پیسہ لازم ہوا ہے اس کو ادا کو انہی میں سے ایک پیسہ بائع کو پھیر دے گا۔ تو دوسرا پیسہ زائد رہ گیا بے ایسے معاوضہ کے جس کا استحقاق عقد بیع سے ہوا ہو۔ جیساکہ فتح القدیر میں ہے اور اس کے مثل عنایہ وغیرہ میں ہے [4]۔

---

[1] بحر الرائق : ۱۲۸/۶

[2] 〃 〃 : ۱۳۰/〃

[3] فتح القدیر : ۲۸۶/۵

[4] 〃 〃 : ۲۸۷/〃 العنایہ علی هامش فتح القدیر

اور ادھار پیسوں کے بدلے روپیہ بیچنے میں یہ علت جاری نہیں ہوسکتی جیساکہ پوشیدہ نہیں نہ کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنے میں۔ تو عبارت قاری الہدایہ کا سب سے بہتر محمل وہ ہے جو نہر میں ذکر کیا۔ اور اس وقت وہ ایک روایت نادرہ پر مبنی ہوگی جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے آئی ہے جیساکہ عنقریب اس کا بیان آتا ہے اور اگر یہ نہ مانیں تو وہ علامہ کا ایک فتویٰ ہے جس کے ساتھ کوئی سند نہیں اور نہ اس میں اس سے پہلے کوئی اُن کا مستند[1] معلوم نہ وہ اس پر کسی نقل سے سند لائے اور وہ جو اُن کے لئے علامہ شامی نے تکلّف کیا اس کا حال معلوم ہوچکا تو اس سے کیونکر معارضہ ہوسکتا ہے اس حکم کا جس پر اُن اکابرِ کرام کے کلمات متفق ہیں جن کے اسمائے گرامی اوپر مذکور ہوئے اور اس میں ان کا امام مبسوط میں امام محمد کا نص ہے۔ تو وہی قول فیصل ہے۔[2]

(ف) علامہ قاری الہدایہ پر تطفلات

ثم اقول علاوہ بریں وہ جو علامہ قاری الہدایہ نے ذکر کیا اس میں مسائل مذہب سے صاف دو ذہول ہیں۔

ایک[1] ذہول تو اس سے جو ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ پیسے اصطلاح کے سبب وزن کی چیز ہونے سے خارج ہوکر گنتی کی چیز ہوگئے۔

اور دوسرا[2] ذہول اس سے وہ جو علمانے نص فرمایا کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع و مشتری کی اپنی اصطلاح سے باطل ہوجاتا ہے اور ثمنیت کی بطلان سے وہ اصطلاح جو ٹھہری ہوئی ہے کہ پیسے گنتی کی چیز ہیں باطل نہیں ہوتی ان تمام باتوں کی ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے۔ ہدایہ کی عبارت یہ ہے۔

امام اعظم اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت بائع و مشتری کے حق میں اُنکی

---

[1] یعنی اس طریقے سے جو انہوں نے ذکر کیا اور اگر صرف کی طرف پھیرو تو تمہیں معلوم ہوچکا جو اسمیں نرا ضعف ہے ۱۲ منہ

[2] ہدایہ ۲ / ۸۳ (ط محمد علی کارخانہ اسلامی کتب کراچی)

اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اوروں کو ان پر کچھ ولایت نہیں۔ تو وہ اصطلاح میں اسے باطل بھی کر سکتے ہیں۔ اور جب ثمن ہونا باطل ہو گیا تو معین کئے سے معین ہو جائیں گے اور اس سے تول کی چیز نہ ہو جائیں گے کہ گنتی پر اصطلاح باقی ہے۔ انتہٰی

اور عنقریب ہم تمہیں بتائیں گے کہ امام محمد نے بھی سلم میں بطلان ثمنیت تسلیم فرما لیا ہے۔ ہاں بیع میں دلیل نہ ہونے کے سبب اس کا انکار کیا ہے تو اس پر ہمارے سب اماموں کا اجماع ہے۔ تو اس حالت میں روپے یا اشرفی سے پیسوں کی بدنی کرنا ثمن کی بدنی نہیں۔ اور نہ باہم تول کی دو چیزوں میں بدنی بلکہ تول کی چیزوں کے عوض ایک متاع عددی کی بدنی ہے جس کے افراد باہم مشابہ ہیں۔ اور ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

الحاصل بندہ ضعیف اس فتویٰ کے لئے اصلاً کوئی وجہِ صحت نہیں جانتا۔ تامل کر شاید ان کے کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو۔ کہ میں اپنی فہم سُست سے اسے نہیں سمجھتا۔ اور کیا عجب ہے کہ بنسبت ان علامہ کثیر المعرفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کے میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں۔

ثم اَقولُ۔ اگر تسلیم بھی کر لیں تو ہمیں اس کہنے کا اختیار ہے کہ وہ جو علامہ نے ذکر فرمایا۔ وہ پیسوں ہی میں جاری ہوتا ہے۔ اور نوٹ تو اصلاً وزن کی چیز نہیں۔ اس لئے کہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی تولے نہیں جاتے۔ تو معیار اُن میں شامل نہ ہوئی جیسے غلّہ سے ایک ہتھیلی بھر۔ اور سونے سے ایک ذرّہ۔ تو ہمارا یہ مسئلہ بہر حال مخالفت سے محفوظ ہے۔ اور حمد اللہ کے لے جو بزرگی والا ہے۔ ایسی ہی تحقیق ہونی چاہیئے۔ اور توفیق کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

مسئلہ ۱۰: نوٹ میں بدنی (پیشگی سودا یعنی بیع سَلم) جائز ہے؟

جواب سوالِ دھم :۔

اقول۔ ہاں نوٹ میں بدنی جائز ہے۔ اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز نہ ہو۔ اس لئے کہ

نوٹ ثمن ہے۔ اور ثمن میں بدنی جائز نہیں جیساکہ نہر سے گذرا۔

(ف) پیسوں میں بدنی جائز ہونے کی تحقیق اور مسئلہ میں قولِ امام کی تنقیح

اور تحقیق یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک روایتِ نادرہ پر مبنی ہے جو امام محمد سے آئی۔ ورنہ متون میں تو یہ نص ہے کہ پیسوں میں بدنی جائز ہے۔ ہاں جو ثمن ہونے کے لئے پیدا کئے گئے ان میں جائز نہیں اور وہ صرف چاندی سونا ہے وبس اس لئے کہ بائع ومشتری ان کی ثمنیت باطل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے بخلاف ان چیزوں کے جو اصطلاحاً ثمن قرار پائے ہیں۔ تنویر الابصار اور در مختار میں فرمایا۔ سلم جائز ہے ہر اس چیز میں جس کی صفت کا انضباط ہو سکے۔ جیسے اس کا کھرا اور کھوٹا ہونا۔ اور اس کا اندازہ پہچان سکیں جیسے ناپ اور تول کی چیز۔ اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ چیز ثمن نہ ہو۔ اس سے روپے اور اشرفی نکل گئے اس لئے کہ وہ ثمن ہیں۔ تو اُن میں جائز نہیں۔ امام مالک کا اس میں خلاف ہے۔ یا گنتی سے بکنے کی چیز ہو تو ایسی ہو کہ اس کے افراد باہم قریب قریب ہوتے ہوں جیسے اخروٹ انڈے اور پیسے[1]۔ الخ

علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف نے جو پیسہ کہا اولیٰ یہ ہے کہ پیسے کہیں اس لئے کہ فلس واحد کا صیغہ ہے اسم جنس نہیں بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام محمد کا خلاف ہے اس لئے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ بیچنا منع فرماتے ہیں۔ مگر روایت مشہورہ ان سے بھی مثل قول امام اعظم اور امام ابو یوسف کے ہے اور فرق کا بیان نہر وغیرہ میں ہے[2]۔ انتہیٰ۔ تو گویا نہر نے یہ بات فتوی قاری الہدایہ کی تاویل کے لئے ظاہر کی تاکہ اس کے لئے کوئی سند ہو جائے۔ اگرچہ نوادر میں اور اس سے اس پہ اعتماد کرنا نہ چاہا۔ اور ہدایہ میں ہے۔ یونہی پیسوں

---

[1] تنویر والدر مع شامی ۴/۲۲۶

[2] ردالمحتار ۴/۲۲۷ (ط مصطفیٰ البابی مصر)

میں بدنی جائز ہے ان کی گنتی مقرر کر کے۔ اور کہا گیا کہ یہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں۔ اس لئے کہ پیسے ثمن ہیں۔ کہ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمن ہونا بائع و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح کی بنا پر ہے۔ تو ان کی اصطلاح سے باطل بھی ہو جائے گا۔[۱] فتح القدیر میں فرمایا پیسوں میں گنتی سے بدنی جائز ہے۔ اسی طرح امام محمد نے جامع میں ذکر فرمایا۔ اور کسی خلاف کا نام نہ لیا۔ تو یہی امام محمد سے روایت مشہورہ ہوئی۔ اور بعض نے کہا کہ یہ قول شیخین کا ہے۔ امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس دلیل سے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ بیچنا منع فرماتے ہیں کہ وہ ثمن ہیں۔ اور جب وہ ثمن ہوئے تو ان میں بدنی جائز نہ ہوئی۔ مگر روایت مشہورہ میں امام محمد سے بھی جواز ہی ہے۔ اور بیع اور بدنی میں وہ یہ فرق کرتے ہیں کہ بدنی میں تو یہ امر ضرور ہے کہ جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ ثمن نہ ہو۔ تو جب انہوں نے پیسوں کی بدنی پر اقدام کیا تو ضمناً ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل کر دیا۔ اور ان کی بدنی اسی طور پر جائز ہے۔ جس طرح ان میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی گن کر۔ بخلاف بیع کے وہ ثمن پر بھی وارد ہو سکتی ہے۔ تو بیع میں ان کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب نہیں۔ تو کمی بیشی جائز نہ ہوئی۔ اور ایک پیسہ کی دو پیسہ سے بیع منع ٹھہری۔[۲] انتہیٰ

(ف) فتح القدیر پر تطفّل

اقول۔ مگر اس فرق میں اعتراض ہے اس لئے کہ امام محمد اس کے قائل ہی نہیں۔ کہ صرف عاقدین کے ارادہ سے وہ ثمنیت سے خارج ہو جائیں حالانکہ باقی تمام لوگ ان کے ثمن ہونے پر متفق ہیں۔ ہدایہ میں فرمایا کہ امام اعظم و امام ابو یوسف کے نزدیک ایک پیسہ دو پیسے معین کو بیچنا جائز ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جائز نہیں۔ اس لئے کہ ان کا ثمن ہونا سب لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوا تھا۔ تو صرف ان دو کی اصطلاح سے باطل

---

[۱] ہدایہ ۲/۹۴

[۲] ابن ہمام فتح القدیر ۵/۳۲۷ (المطبعۃ الکبریٰ مصر)

نہ ہو جائے گا۔ اور جبکہ وہ ثمنیت پر باقی رہے تو متعین نہ ہوں گے۔ تو یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے ایک پیسہ دو پیسے غیر معین کو بیچ لیا۔ اور جیسے ایک معین روپیہ دو معین روپے کو بیچ لیا۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت عاقدین کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے آخر تقریر گذشتہ تک [1] اور بیشک محقق نے اسے فتح القدیر میں مقرر رکھا اور اسی طور پر اس کی تقریر کی۔ تو امام محمد یہاں کس طرح فرمائیں گے۔ کہ عاقدین کا ان کی بدنی پر اقدام کرنا ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل مان لینا ہے۔ مگر یہ کہا جائے کہ یہ پہلی تعلیل سے رجوع ہے۔ اور وہ تعلیل خود امام محمد سے منقول نہ تھی مشائخ نے پیدا کی تھی۔ اور اب اس فرق سے ظاہر ہوا کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ نہ تھی بلکہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ عاقدین کو اپنے حق میں ثمنیت باطل کرنے کا اختیار ہے۔ مگر یہ جب ہے کہ عاقدین سے ابطالِ ثمنیت کا ارادہ ثابت ہو جائے۔ اور وہ بدنی میں ضرور ثابت ہو گیا۔ اس لئے کہ اس میں جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ کبھی ثمن نہیں ہو سکتی۔ تو پیسوں میں بدنی پر ان کا اقدام ان کی ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے۔ اور بیع میں ان کا یہ ارادہ ثابت نہ ہوا کہ اس میں مبیع کا ثمن نہ ہونا کچھ ضرور نہیں۔ تو عاقدین سے ابطال اصطلاح ثابت نہ ہوا۔ تو پیسے بحالِ خود ثمن رہے۔ تو متعین نہ ہوئے تو بیع باطل ہوئی۔ اور یہ تقریر اس طرز پر کبھی اس طرف جھکے گی کہ مسئلہ بیع میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی جائے۔ فافہم [2] واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] ہدایہ ۲/۸۳ (مطبع یوسفی لکھنؤ)

[2] یہ اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عقد صحیح کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے۔ اور اس کا خود ذات عقد کی طرف سے ناشی ہونا کچھ ضرور نہیں جیسے کوئی ایک روپیہ اور دو اشرفیاں دو روپے اور ایک اشرفی کو بیچے تو اسے صورتِ جواز پر حمل کریں گے۔ جنس کو غیر جنس کی طرف پھیر کر حالانکہ خود ذات عقد میں جنس کو مقابل جنس ہونے سے انکار نہیں اور سُود کا شبہ مثلِ حقیقت کے ہے تو اس پر صرف یہی حاجتِ تصحیح عقد باعث ہے۔ اور اس کی نظیریں بکثرت ہیں۔ ۱۲ منہ

مسئلہ[۱۱]: نوٹ کی بیع کم زیادہ کو جائز ہے؟

جواب سوالِ یازدہم :-

اقول - ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہو جائے اس کا بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے اندازہ کرنا صرف ان لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے اور بائع و مشتری پر ان کے غیر کی کوئی ولایت نہیں جیسا کہ ہدایہ و فتح القدیر سے گذرا۔ تو ان دونوں کو اختیار ہے کہ کم زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کرلیں اور جو شخص فکرِ سلیم رکھتا ہے اس کے نزدیک جواب اتنے ہی سے پورا ہو گیا۔ اور میں نے بارہا اس پر فتویٰ دیا اور اکابر علماء ہند سے متعدد عالموں کا یہی فتویٰ ہوا۔ جیسے فاضل کامل مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ۔ اور اس میں میرا اختلاف نہ کیا مگر لکھنؤ کے ایک شخص[۱] نے جو عمائد سے گنے جاتے۔ اور ان کی طرف انگلیاں اٹھتیں۔ اور مجھے ان کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر ان کی موت کے بعد جبکہ کچھ مختصر ورق ان کے فتاویٰ کے نام سے چھپے۔ اور میں ان کی زندگی میں اگر اس بارے میں گفتگو کرتا۔ تو امید تھی کہ وہ رجوع کر لیتے۔ کہ اُن صاحب کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے تو سمجھ لیتے اور جب سمجھ لیتے تو واپس آتے۔ تو اب میں تجھے ایضاح کے بعد اور ایضاح زیادہ کروں جو انشاء اللہ تعالیٰ حق کے لئے نہ باقی رکھے سوا قبول و تسلیم کے۔

(ف) لکھنوی صاحب پر پہلا ردّ

فاقول اولاً ہمارے جمیع علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ حرمتِ سود کی علّت وہ خاص اندازہ یعنی ماپ یا تول ہے اتحادِ جنس کے ساتھ۔ تو اگر قدر و جنس دونوں پائی جائیں تو بیشی اور ادھار دونوں حرام ہیں۔ اور اگر دونوں میں سے ایک پائی جائے۔

---

[۱] جنکو مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کہا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

توبیشی حلال اور ادھار حرام ہے۔ اور یہ ایک عام قاعدہ ہے جو کہیں منتقض نہیں۔ اور بابِ ربا کے جمیع مسائل اسی پر دائر ہیں۔ اور معلوم ہے۔ کہ نوٹ اور روپوں میں شرکت نہ قدر میں ہے نہ جنس میں۔

جنس میں تو اس لئے نہیں کہ یہ کاغذ ہے اور وہ چاندی۔ اور قدر میں اس لئے نہیں کہ روپے تول کی چیز ہیں۔ اور نوٹ نہ تول کی اور نہ ماپ کی۔ تو واجب ہوا کہ بیشی اور ادھار دونوں جائز ہوں۔ تو ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مالِ ربا ہی سے نہیں۔ اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب زیادہ تحقیق بیان کریں گے۔

(ف) اُن پر دوسرا ردّ

ثانیاً۔ ردالمحتار وغیرہ میں فرمایا۔ جہاں بیشی حرام ہوتی ہے ادھار بھی حرام ہے اور اس کا عکس نہیں۔ اور جہاں ادھار حلال ہو۔ بیشی بھی حلال ہوتی ہے اور اس کا عکس نہیں[۱]۔ انتہیٰ اور ہم جواب سوال نہم میں دلیل قطعی قائم کر چکے ہیں کہ نوٹ میں ادھار جائز ہے تو واجب ہوا کہ بیشی بھی حلال ہو۔ اور آئندہ تقریر کے منتظر رہو۔

(ف) اُن پر تیسرا ردّ

ثالثاً۔ یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرما رہے ہیں کہ جب جنس مختلف ہو۔ تو جیسے چاہو بیچو۔ یہ حدیث صحیح مسلم[۲] میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے۔

(ف) اُن پر چوتھا ردّ جلالت والا

رابعاً۔ یہ تو ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہ رہیں۔ اور اب میں تجھ سے

---

[۱] ردالمحتار ۴/۲۰۰ [۲] صحیح مسلم ۲/۲۵ کراچی

ایک ایسی چیز بیان کروں جس میں تجھے اپنی عقل کے لائق کچھ کلام کی گنجائش ہو۔ پھر اظہارِ صواب کے لئے اس کا پردہ کھولوں۔

مالیت میں کمی بیشی جائز ہے اگرچہ اُن چیزوں میں جنمیں مقرر کی کمی بیشی سے سُود ہو جاتا ہے

اقول۔ بھلا تو بتا کیا تجھے اور ہر ذی علم کو معلوم نہیں کہ وہ مال کے عام بھاؤ سے سب کے نزدیک دس روپے کی قیمت کا ہے۔ ہر شخص کو جائز ہے کہ خریدار کی رضامندی سے اسے سَو روپے کو بیچے یا ایک پیسہ کو دیدے اور شرع مطہر کی طرف سے اس بارے میں کوئی روک نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

(مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا[1])

اور بیشک فتح القدیر میں فرمایا۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا جائز ہے۔ اور اصلاً مکروہ بھی نہیں۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ہرگز نہ ہزار روپے تک پہنچتی ہے نہ سو تک۔ نہ ایک روپے تک تو اس کا یہی سبب ہے کہ قیمت اور ثمن جُدا جُدا چیزیں ہیں اور بائع و مشتری پر قیمت (یعنی بازار کے بھاؤ) کی پابندی ثمن میں لازم نہیں (یعنی جو اُن کی باہم قرارداد ہوا) بلکہ انہیں اختیار ہے کہ بازار کے بھاؤ سے کئی گنے زائد پر رضامندی کرلیں یا اس کے سوویں حصہ پر۔

(ف) لکھنوی صاحب کی طرف سے ایک شبہ کا بیان اور اُس کے تین جواب

اب اگر تو کہے کہ یہ تو متاع کا حکم ہے اور نوٹ تو اصطلاح میں ثمن ہے۔ میں کہوں گا ـــــ اوّلاً پھر کیا ہوا۔ تو نے اصطلاحاً کہہ کر خود ہی جواب ظاہر کر

---

[1] نساء : آیت ۲۹

دیا۔ کہ اوروں کی اصطلاح عاقدین کو مجبور نہیں کرتی۔ تو فرق ضائع ہوا۔ اور حق واضح ہوگیا۔

ثانیاً ہم نے مانا کہ عاقدین ابطالِ ثمنیت پر قادر نہ ہوں۔ تو یہ تو نے کہاں سے نکالا۔ کہ اصطلاحی ثمنوں کی مقدار مصطلح سے تغیر جائز نہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ ایک روپے کے پیسے عرف کی تعیین سے ہمیشہ متعین رہتے ہیں۔ کہ ہر سمجھ دار بچہ جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے کا ہے نہ پندرہ کا۔ نہ سترہ کا۔ پھر یہ عرفی تعین اور پیسوں کا ثمن اصطلاحی ہونا بائع و مشتری پر کمی بیشی حرام نہیں کرتا۔ تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں فرمایا جس نے صرّاف کو ایک روپیہ دیا اور کہا اس کے عوض مجھے آٹھ آنہ کے پیسے دیدے اور ایک سکہ کی اٹھنی سے رتی بھر کم ہو۔ تو ایسی بیع جائز ہے۔ روپے کی اتنی چاندی جو اس چھوٹے سکہ کے برابر ہو۔ وہ تو اس کے عوض رہے گی اور باقی کے عوض پیسے[1]۔ انتہیٰ اور ہدایہ کی عبارت یوں ہے۔ کہ اگر کہا آٹھ آنے پیسے دے دو اور رتی کم اٹھنی تو جائز ہے[2]

(ف) ایک روپیہ ایک اشرفی کو بلکہ ہزار اشرفیوں کو بیچنا جائز ہے

ثالثاً ثمن اصطلاحی سے اوپر چل۔ یہ ہیں سونا چاندی۔ کہ اصل پیدائش میں ثمن ہیں۔ اور ہر کوئی شخص اُن کی ثمنیت باطل کرنے پر قادر نہیں۔ اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اشرفی ہمیشہ کئی روپے کی ہوتی ہے۔ اور ہرگز کوئی اشرفی نہ پائی جائے گی جو ایک روپیہ قیمت کی ہو۔ اور باوصف اس کے ہمارے آئمہ نے تصریح فرمائی کہ ایک اشرفی ایک روپیہ کو بیچنا صحیح ہے۔ اور اُس میں اصلاً ربا نہیں۔ اور اس کے سوا اس کا کوئی سبب نہیں۔ کہ جب جنس مختلف ہوں۔ تو کمی بیشی جائز ہے۔ اور نوٹ اور روپوں کی جنس مختلف ہونا ایسی بات نہ ہے جس سے کوئی مجنون ہی ناواقف ہو۔ ہدایہ اور درمختار اور عام نورانی کتابوں میں فرمایا۔ دو روپوں

---

[1] درمختار مع شامی ۴/ ۲۷۰

[2] ہدایہ ۲/ ۱۱۲

اور ایک اشرفی کو ایک روپے اور دو اشرفی کے عوض بیچنا درست ہے۔ کہ ہر جنس اپنی مخالف جنس کے مقابل کر دی جائے گی۔ اسی طرح گیارہ روپوں کو دس روپے اور ایک اشرفی کے عوض بیچنا[۱]۔ انتہی۔ ردالمحتار میں فرمایا۔ دس روپے تو دس روپے کے بدلے ہو جائیں گے اور گیارھویں روپے کے بدلے ایک اشرفی[۲] انتہیٰ

توجب ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا درست ہوا جس کی قیمت عام طور پر پندرہ روپے ہیں اور ربا نہ ہوا۔ تو دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا کیونکر سود ہو گا۔ یہ تو نرا بہتان ہے۔

(ف) اس بارہ میں ایک شبہ کی تقریر

اگر تو کہے۔ کہ یہ جو مسئلے تم نے ذکر کئے ان میں اگرچہ بیع صحیح ہے۔ مگر مکروہ ہے اور مکروہ ممنوع ہوتا ہے۔ تو حلال نہ ہوگا اگرچہ صحیح ہوا۔ ایسے ہی یہاں ہے۔ ہدایہ میں فرمایا۔ اگر چاندی کو چاندی یا سونے کو سونے سے بیچا۔ اور ایک طرف کم ہے۔ اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز شامل ہے جس کی قیمت باقی چاندی کے برابر ہے جب تو بیع بلا کراہت جائز ہے۔ اور اگر اتنی قیمت کی نہیں تو کراہت کے ساتھ۔ اور اگر اس کی قیمت کچھ نہیں جیسے مٹی۔ تو اب بیع جائز ہی نہ ہو گی۔ کہ سود موجود ہے۔ اس لئے کہ جتنی زیادتی ایک طرف رہی اس کے مقابل دوسری طرف کچھ نہیں تو سود ہو گا[۳] انتہیٰ اور اس کلام کو فتح القدیر اور دیگر شروح اور بحر اور ردالمحتار وغیرہا میں برقرار رکھا۔ اور معلوم ہے کہ لفظ کراہت جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے کراہت تحریمہ مراد ہوتی ہے بلکہ فاضل عبدالحلیم نے حاشیہ دُرر میں یہ مسئلہ نقل کیا۔ اور اس کی تفصیل کو فتح القدیر پر حوالہ کر کے یوں کہا۔ جب تجھے یہ معلوم ہو چکا۔ تو وہ جو سلطنت عثمانیہ میں رائج ہے کہ ایک قرش انثی

---

[۱] ہدایہ ۲/ ۹- ۱۰۸

[۲] ردالمحتار ۴/ ۲۶۶ مطبعۃ الکبریٰ مصر

[۳] ہدایہ ۲/ ۱۰۹

روپے عثمانی کو بیچتے ہیں جائز نہیں۔ اس لئے کہ قرض زائد ہے اور اگر بیلوں کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ہو۔ تو کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ تو احتیاط والے پر واجب ہے کہ ان دونوں کا وزن برابر کر لے۔ یا وہ چیز جو روپوں کے ساتھ ملائی جائے اتنی قیمت کی ہو جسقدر قرض میں روپوں پر زیادتی ہے تاکہ کراہت سے عہدہ برآ ہو۔ انتہیٰ

توانہوں نے وجوب کی تصریح کردی تو اس کا خلاف مکروہ تحریمی ہوا اور گناہ کے لئے کراہت تحریم کافی ہے۔

میں کہوں گا کہ تیرے لئے میں نے اس اعتراض کی اس طور پر تقریر کردی کہ اگر تو اپنی طرف سے کرتا تو شاید اس سے بہتر نہ کرسکتا اور اب وہاب جل جلالہٗ کی توفیق سے جواب سُن۔

(ف) اُس شبہ کا پہلا جواب

اولاً پیدائش اور اصطلاح کا فرق تیرے ذہن سے کدھر جاتا رہا۔ کہ سونے کی مالیت اور اس کا چاندی سے کئی گُنا ہونا ایک خلقی باب ہے۔ جس میں کسی کے فرض و قرارداد کو دخل نہیں۔ تو ایک اشرفی ایک روپے سے بدلنے میں مالیت کی زیادتی ہر ذہن میں آجائے گی بخلاف نوٹ کے۔ کہ مثلاً اس کی قیمت دس روپے ہونا صرف لوگوں کی اصطلاح سے ہے۔ ورنہ خود کاغذ تو نہ ایک روپے کا ہے نہ روپے کے دسویں حصّہ کا۔ تو اگر تو اصل کو دیکھے تو دس۱۰ کا نوٹ دس۱۰ کو بیچنے میں بھی مالیت میں زیادتی ہے۔ اور اگر اصطلاح کو دیکھیں تو اصطلاح بائع و مشتری پر حاکم نہیں۔ جیسا کہ ہم نے تجھ کو ہدایہ اور فتح القدیر کا نص سُنا دیا۔ تو جب لوگوں نے اسے دس۱۰ کا قرار دے لیا۔ اور وہ اپنی اصل میں ایک پیسے کا ہے تو بائع و مشتری اس سے کون منع کرتا ہے کہ وہ اسے بارہ یا زیادہ یا آٹھ یا اس سے بھی کم کا ٹھہرالیں تو اس مسئلہ کو ہماری مبحث سے کوئی علاقہ نہیں۔

(ف) اس کا دوسرا جواب

ثانیاً۔ ان کا کلام اس صورت میں ہے جب جنس کے بدلے جنس ہو۔ کہ اسی میں

زیادتی ظاہر ہوتی ہے۔ کیا تو نے ہدایہ کا یہ قول نہ دیکھا کہ جب چاندی چاندی سے۔ یا سونا سونے سے بیچا۔ اور ایک طرف کمی ہے۔ اور یوں نہ فرمایا کہ سونے کو چاندی سے بیچا۔ اور نرخ معروف کے اعتبار سے ایک طرف مالیت کم ہے تو سونا اپنے برابر کے سونے کے برابر جب کیا جائے گا زیادتی ظاہر ہو جائے گی۔ اور اس وقت عقل یہ تمیز کرے گی کہ وہ چیز جو کم کے ساتھ ملائی گئی ہے اس زیادت کے قدر کو پہنچتی ہے یا نہیں۔ بخلاف اس کے کہ نوٹ روپوں کو بیچیں کہ وہ دو جنس مختلف ہیں۔ تو زیادتی کدھر سے ظاہر ہو گی۔ اور یہ فرع اُس اصل کے کیونکر مطابق آئے گی۔ فتح القدیر میں فرمایا ربا وہ زیادتی ہے کہ عقد معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی کو اس کا مستحق قرار دیا جائے اور اس زیادتی کے مقابل کوئی عوض اس عقد میں شرط نہ کیا گیا ہو۔ اور تجھے معلوم ہو گیا کہ عوض سے خالی ہونا اسی وقت متحقق ہو گا جبکہ شے کا اُس کی جنس سے مقابلہ کیا جائے[1]

اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب دو چیزیں مختلف قسم کی ہوں تو جیسے چاہو بیچو[2] تو یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت ہے۔ اور حضور ہی صاحبِ شرع ہیں۔ اور حضور ہی کی طرف رجوع اور حضور کی یہاں پناہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو جو کوئی منع کرے تو اس کا منع کرنا اسی پر رد کیا جائے گا اور مسموع نہ ہو گا۔

(ف) اس کا تیسرا جواب

ثالثاً۔ جس حالت میں کم کے ساتھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت مقدار زیادت کو نہ پہنچے حکم کراہت صرف امام محمد سے مروی ہے اور امام اعظم ہمام اقدم صاحب مذہب اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح فرمائی کہ اس میں کچھ کراہت نہیں۔ فتح القدیر میں اس مسئلہ کو ذکر کر کے فرمایا۔ امام محمد سے عرض کی گئی کہ اس کو آپ اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا پہاڑ کی طرح گراں۔ اور

---

[1] امام ابن ہمام : فتح القدیر ۵/۲۷۷ المطبعۃ الکبریٰ مصر

[2] دار قطنی مترجم۔ سنن دار قطنی ۳/۱۸ - ابن ہمام فتح القدیر ۵/۲۹۲

امام اعظم سے کراہت مروی نہیں۔ بلکہ ایضاح میں تصریح فرمائی کہ اس میں امام اعظم کے نزدیک کچھ حرج نہیں [۱] انتہیٰ

اور اس صورت کی مثل میں عنقریب بحر سے بحوالہ قنیہ آتا ہے کہ امام بقالی نے فرمایا کہ اس میں کراہت نہ ہونا امام اعظم اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا مذہب ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں کفالت سے کچھ پہلے بحوالہ محیط امام سرخسی امام محمد سے ہے کہ اگر ایک روپیہ ایک روپیہ کو بیچا۔ اور ایک وزن میں زیادہ ہے اور کم وزن والے کے ساتھ کچھ پیسے ہیں تو جائز ہے مگر میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں۔ کہ لوگ اس قسم کے معاملے کے عادی ہو جائیں گے۔ پھر ناجائز جگہ بھی یہ کاروائی کرنے لگیں گے۔ اور امام اعظم نے فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں۔ اس واسطے کہ اسے یوں صحیح ٹھہرانا ممکن ہے کہ وہ زیادتی پیسوں کے مقابل ہو جائے [۲]۔

(ف) فتویٰ ہمیشہ قولِ امام پر ہے مگر بضرورت

بالجملہ امام سے یہ روایت مشہور و معروف ہے۔ اور معلوم ہے کہ عمل و فتویٰ ہمیشہ قولِ امام پر ہے مگر کسی ضرورت سے جیسے کہ عملدرآمد مسلمانوں کا اس کے خلاف پر ہو گیا ہو۔ اور ایسی بات ہم نے العطایا النبویہ کی کتاب النکاح میں ایسا مفصل بیان کیا ہے جس سے زیادہ کوئی بیان نہیں۔

(ف) شبہ کا چوتھا جواب سب سے زیادہ چمکتا ہوا

رابعًا۔ اور وہی سب سے زیادہ چمکتی بات ہے۔ حق یہ کہ یہ کراہت [۳] صرف کراہتِ تنزیہی ہے۔

---

۱ فتح القدیر ۵/ ۳۸۹

۲ فتاویٰ ہندیہ ۳/ ۳۵۱ نورانی کتب خانہ پشاور

۳ اقول محمد اور تو نے کیا جانا۔ کیا محمد۔ محمد سردار ہیں گئے مذہب مستقیم کی (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

(ف) کراہت کے اطلاق

کراہت کے مطلق چھوڑنے سے دھوکا نہ کھانا کہ فقہا بارہا اسے مطلق چھوڑتے ہیں۔ اور اس سے مراد وہ معنیٰ ہوتے ہیں جو کراہت تنزیہی اور تحریمی دونوں کو عام ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) کی تحریر و تلخیص فرمانے والے۔ وہ جامع کبیر میں (کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے) فرماتے ہیں جب کھوٹے روپے مختلف قسم کے ہوں۔ کسی میں دو تہائی چاندی ہو۔ کسی میں دو تہائی پیتل۔ کسی میں آدھوں آدھ چاندی تو ان میں ایک قسم کا روپیہ دوسری قسم کے روپے سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنے میں کچھ حرج نہیں جبکہ دست بدست ہو۔ اس لئے کہ اس کی چاندی اس کے پیتل سے بیچنا قرار دیگی۔ اور اس کی چاندی اس کے پیتل سے۔ جیسے کوئی شخص پیتل اور چاندی۔ پیتل اور چاندی کے بدلے بیچے۔ ہاں ادھار بیچنا روا نہ ہوگا۔ کہ دونوں کو وزن شامل ہے۔ اور دونوں ثمن ہیں۔ تو ادھار حرام ہے۔ یہاں اُن میں کسی قسم کا روپیہ اسی قسم کے روپیہ سے کمی بیشی کو بیچنا۔ اس میں اگر اس روپے میں چاندی کا حصہ زیادہ ہے تو جائز نہیں کہ مغلوب اعتبار سے ساقط ہے۔ تو گویا وہ نری چاندی ہے تو برابر ہی کو بیچنی جائز ہوگی اور اگر پیتل زیادہ یا دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی۔ اسی طرح کہ ہر ایک کی چاندی دوسرے کے پیتل کا مقابلہ کریں گی اور دست بدست ہونا ضرور ہوگا کہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کہ باعیا تھا ہونا یعنی تعیین شرط ہوگی[۱] اسی فتاوی ذخیرہ کی کتاب البیوع فصل ششم میں نقل کیا اور کہا اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں جو کھوٹے روپے عدلی نام سے چلتے ہیں ان میں ایک روپیہ دو روپوں سے دست بدست بیچنا جائز ہے۔ انتہیٰ۔

اقول اور جب کمی بیشی روا ہوئی۔ تو جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچنا ویسے ہی نتھو ویسے ہی ہزاروں کو۔ اب فرض کیجئے کہ وہ روپیہ جس میں دو تہائی پیتل ہے تول میں اس روپے کا پونا ہے جس میں آدھی چاندی ہے۔ تو اس کی دو تہائی اور اس کا آدھا تول میں برابر ہوں گی۔ اور ان میں کا ایک روپیہ ان میں کے دس ہزار روپوں کو دست بدست بیچا۔ اور یہ ضرور ہے کہ جنس کو خلافِ جنس کے مقابل ٹھہرائیں تو چاندی کے دس ہزار پیتل کے ایک کو بکے۔ اس سے زیادہ مالیت میں اور کیا بیشی چاہتا ہے اور یہ محرر مذہب محمد ہیں۔ کہ صاف (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

---

[۱] امام محمد : جامع الکبیر ــــ ۴ ــ ۳۴۰

اور بارہا مطلق بولتے ہیں۔ اور اس سے صرف کراہت تنزیہہ مراد لیتے ہیں جیساکہ اُس پر پوشیدہ نہیں جس نے ان کے کلمات کی نفیس دولھوں کے ساتھ زندگی بسر کی ہے۔ اور علماء نے اس معنی کی متعدد مواضع میں تصریح فرمائی۔ ردالمحتار میں باب شہید سے کچھ پہلے ہے۔ امام طحطاوی کے سوا اور علماء نے جو قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کی کراہت ذکر فرمائی ہے۔ قضائے حاجت کے سوا اور صورتوں میں اس سے کراہت تنزیہہ مراد ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اس میں یہ ہوا کہ کراہت ایک ایسے معنی پر بولی گئی جو تحریم و تنزیہہ دونوں کو شامل ہے۔ اور یہ ان کے کلام میں بکثرت ہے۔ اسی باب سے ہے فقہاء کا مکروہاتِ نماز فرمانا[1]۔ انتہیٰ

بلکہ درمختار کی فصل استنجا میں مصنف کے اس قول کے نیچے کہ عورت کو مکروہ ہے کہ بچے کو پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھائے الخ یہ فرمایا۔ یہ کراہت تحریم و تنزیہہ دونوں کو عام ہے[2] انتہیٰ۔ اور شامی نے مکروہاتِ وضو میں فرمایا۔ کراہت مطلقاً تحریم ہی کی طرف نہیں پھیری جاتی۔ انتہیٰ۔ اور اس سے کچھ پہلے جہاں مصنف نے کہا کہ وضو کے مکروہ یہ ہیں یہ فرمایا۔ کہ مکروہ ضد ہے محبوب کی اور وہ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے۔ اور کبھی مکروہ تحریمی پر۔ اور کبھی مکروہ تنزیہی پر۔ پھر بحرالرائق سے نقل کیا۔ کہ مکروہ اس باب میں

(بقیہ حاشیہ) فرمارہے ہیں کہ اس میں کچھ حرج نہیں۔ تو واجب ہوا کہ اس میں اگر کراہت ہو تو صرف کراہت تنزیہی ہو۔ اور خود صاحبِ مذہب کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے تو اسی پر جم جاؤ اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے[1] وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں مائل نہوئے۔ اور حق یہ ہے کہ قبروں پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے جیساکہ میں نے اپنے رسالہ الامر باحترام المقابر (۱۲۹۸ھ) میں اس کی تحقیق کی۔ اور بیشک محقق شامی خود اپنی اس کتاب کی فصل استنجا میں اس کے معترف ہوئے کہ فرمایا علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیا راستہ نکالا ہو اس میں چلنا حرام ہے۔ انتہیٰ ۱۲ منہ

---

[1] ردالمحتار ۱/ ۶۶۸ : مصطفیٰ البابی مصر

[2] درمختار شامی ۱/ ۶۵۱

دو قسم ہیں۔ ایک مکروہ تحریمی۔ اور جب وہ کراہت کو مطلق رکھتے ہیں۔ تو اسی پر محمول ہوتی ہے۔ دوسرا مکروہ تنزیہی۔ اور بکثرت اسے بھی مطلق چھوڑتے ہیں۔ جیسا کہ شرح منیہ میں ہے۔ اور جب بات یہ ہے تو جس وقت فقہاء کسی شے کو مکروہ کہیں۔ تو اس کی دلیل پر نظر لازم ہوگی۔ اگر وہ دلیل کوئی ظنی نہیں ہے۔ تو کراہت تحریم کا حکم دیں گے۔ مگر کسی اور دلیل کے باعث جو اس سے پھیر دے۔ اور اگر وہ دلیل نہی نہ ہو۔ بلکہ غیر قطعی ترک چاہتی ہے۔ تو وہ کراہت تنزیہی ہے۔ انتہیٰ۔ ملخصاً[1]

میں کہتا ہوں شکل اخیر سے ہے متون مثل تنویر وغیرہ کا یہ قول کہ غلام کی امامت مکروہ ہے۔ درمختار میں فرمایا تنزیہا۔ شامی نے کہا اس کے تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام نے مبسوط میں فرمایا ان کے غیر کی امامت مجھے زیادہ پسند ہے یہ بحرالرائق میں مجتبیٰ اور معراج سے ہے[2]

(ف) پہلی دلیل اس پر کہ مالیت میں زیادتی مکروہ تحریمی نہیں ہے

جب تجھے یہ معلوم ہو لیا۔ تو واجب ہوا کہ دلیل تلاش کریں کہ وہ دونوں کراہتوں میں کس طرف جھکتی ہے۔ جیسا کہ دریائے علم نے بحرالرائق میں افادہ فرمایا۔ اب ہم نے علماء کو دیکھا کہ اس کراہت پر دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں۔ اور ان میں کوئی بھی کراہت تحریم کا فائدہ نہیں دیتی۔ ان کی نہایت صرف کراہت تنزیہہ ہے۔ عنایہ میں فرمایا۔ کراہت یا تو اس لئے ہے کہ وہ دفع ربا کا حیلہ ہے تو بیع عینہ کے مثل ہو جائے گا۔ کہ حیلہ کر کے زیادہ لیا۔ اور یا اس لئے کہ لوگ اس کے خوگر ہو جائیں گے تو پھر ناجائز جگہ بھی ایسی کاروائی کرنے لگیں گے[3] اور فتح القدیر میں ایضاح سے وجہ دوم نقل فرمائی۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح

---

[1] درمختار شامی ١/٩٧ : مصطفی البابی مصر

[2] ردالمحتار ١/٤١٣

[3] الامام اکمل الدین بن محمود

محیط میں ذکر کیا۔ پھر فرمایا۔ بعض کہتے ہیں اس لئے مکروہ ہوا۔ کہ انہوں نے ایک حیلہ کیا۔ وہی تقریر جو وجہ اول میں گذری[1] اور صاحب عنایہ نے دونوں وجہیں ذکر کر کے بالآخر وجۂ اول میں حصر کر دیا جہاں کہ فرمایا کراہت صرف اس وجہ سے ہے۔ کہ انہوں نے اس زیادتی سے ربا کے دفع کا حیلہ کیا[2] انتہیٰ۔ اور اسی پر کفایہ میں اقتصار فرمایا۔ کہ وہ صرف اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ربا ساقط کرنے کا حیلہ ہے۔ تاکہ حیلہ سے زیادت حاصل کرے۔ تو مکروہ ہوگا جیسے بیع عینہ وہ بھی اسی سبب سے مکروہ ہے[3] انتہیٰ۔

اور تو جانتا ہے کہ درجہ دوم کا حاصل تو صرف اس قدر ہے کہ خرابی کے ڈر سے اس چیز کو چھوڑے جس میں خرابی نہیں۔ تو یہ مقام ورع کا ہے اور ورع چھوڑنے میں کراہت تحریمی نہیں آتی۔ اور خود فرمایا کہ وہ اس طرف لے جائے گی کہ اس کے عادی ہو جائیں تو ناجائز جگہ بھی اُسے برتنے لگیں۔ تو صاف بتا دیا۔ کہ یہ کارروائی جائز جگہ پر ہے اور کراہت فقط اس خوف سے ہوئی کہ بڑھ کر ناجائز تک نہ پہنچ جائیں۔

رہی پہلی وجہ وہ اور بھی زیادہ واضح و روشن ہے کہ ربا ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا تو ربا سے بھاگنا ہے اور وہ منع نہیں۔ بلکہ ممنوع تو ربا میں پڑتا ہے۔ اور بیشک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کے متعدد حیلے تعلیم فرمائے ہیں۔ کہ زیادہ لیں۔ اور سُود نہ ہو۔ اور امام فقیہ النفس قاضی خاں نے تو اپنے فتاویٰ میں اُس کے لئے ایک مستقل فصل وضع کی۔ فرمایا کہ یہ فصل ہے اُن باتوں کے بیان میں جو سُود سے گریز کی ہیں۔

(ف) سُود سے بچنے کے طریقے کہ زیادہ لیں اور سُود نہ ہو

اور اُس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کے دُوسرے پر دسؔ روپے آتے

---

[1] عنایہ علی ھامش فتح القدیر ۵/ ۳۸۹

[2] ،، ،، ،، ۵/ ۳۷۹

[3] کفایہ ۶/ ۳ (ط سکھر پاکستان)

تھے۔ اس نے یہ چاہا کہ میں دس ۱۰ کے تیرہ ۱۳ کرلوں ایک میعاد تک۔ علماء نے فرمایا کہ وہ مدیون سے اُن دس ۱۰ کے عوض کوئی چیز خرید لے۔ اور اس پر قبضہ کرلے۔ پھر وہی چیز اس مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچ ڈالے۔ تو حرام سے بچ جائے گا۔ اور اس کا مثل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے ایسا کرنے کا حکم دیا[۱] انتہیٰ اور اسی طرح بحر الرائق نے بحوالہ خلاصہ نوازل امام فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے۔

(ف) دوسرا طریقہ

دوسرا[۲] حیلہ یہ فرمایا۔ کہ ایک شخص نے دوسرے سے کچھ روپے قرض مانگے اس طور پر کہ دینے والے کو دس ۱۰ کے بارہ ۱۲ ملیں۔ تو یوں چاہیئے کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے کوئی متاع رکھے اور اس سے کہے میں نے یہ متاع تیرے ہاتھ ستو روپے کو بیچی۔ قرض دینے والا خرید لے۔ اور روپے اسے دیدے اور متاع پر قبضہ کرلے پھر قرض دینے والا اس سے کہے یہ متاع میرے ہاتھ میرے بیس روپے کو بیچ ڈال۔ وہ بیع کردے۔ تاکہ قرض لینے والے کو ستو روپے مل جائیں اور اس کی متاع بھی اس کے پاس واپس آئے۔ اور قرض دینے والے کے اس پر ایک بیس لازم آئیں۔ اور زیادہ اطمینان واحتیاط کی بات یہ ہے کہ قرض لینے والا قرض دینے والے سے معاملہ مذکورہ کی قرارداد کرکے یوں کہہ دے کہ جو کچھ گفتگو اور شرط ہمارے آپس میں ٹھہری تھی وہ میں نے چھوڑی۔ پھر متاع کی خرید و فروخت کریں[۲] انتہیٰ۔

(ف) تیسرا حیلہ

تیسرا حیلہ یہ فرمایا۔ کہ وہ متاع بھی قرض دینے والے کی ہو۔ قرض لینے والے کے پاس

---

[۱] قاضی خان ۲/۲۰۶ (ط نوالکشور لکھنؤ)

[۲] فتاوی خانیہ علی هامش ہندیہ ۲/۲۷۹

کوئی متاع نہیں۔ ۔اور دینے والا چاہتا ہے کہ دس۱۰ روپے قرض دے ۔اور کسی میعاد پر تیرہ۱۳ روپے اس سے وصول کرے ۔تو قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع تیرہ۱۳ روپے کو بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دیدے۔ پھر قرض لینے والا اس متاع کو کسی اجنبی کے ہاتھ دس۱۰ روپے کو بیچے ۔اور وہ متاع اس اجنبی کو دیدے وہ اجنبی قرض دینے والے کے ہاتھ دس۱۰ روپے کو بیچ ڈالے ۔اور وہ اجنبی اس سے دس۱۰ روپے لیکر قرض لینے والے کو دیدے ۔تو اجنبی پر جو قرض لینے والے کا دین تھا وہ اتر جائے گا اور وہ متاع قرض دینے والے کے پاس دس۱۰ میں پہنچ جائے گی۔اور قرض لینے والے پر اس کے تیرہ۱۳ روپے ایک وعدہ پر لازم ہو جائیں گے[1] انتہیٰ ۔

(ف) چوتھا حیلہ

چوتھا حیلہ یہ فرمایا۔ کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ایک معیّن وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچے ۔اور اس کے قبضہ میں دیدے ۔اور قرض لینے والا اسے کسی اجنبی کے ہاتھ بیچے۔ پھر قرض لینے والا اس اجنبی کے ساتھ بیع فسخ کرلے ۔خواہ متاع اس کے قبضہ میں دی ہو یا نہ دی ہو۔ پھر قرض لینے والا دینے والے کے ہاتھ اسے دس۱۰ کو بیچے تو قرض لینے والے کو دس۱۰ روپے ملیں گے ۔اور دینے والے کے اس پر تیرہ۱۳ لازم ہوں گے۔ اور متاع دینے والے کے پاس پہنچ جائے گی ۔ قرض دینے والے نے اس صورت میں اگرچہ اپنی بیچی ہوئی چیز ادائے ثمن سے پہلے جس قدر کو بیچی تھی۔ اس سے کم کو خرید لی۔ مگر یہاں یہ جائز ہے اس واسطے کہ بیچ میں دوسری بیع آگئی۔ وہ جو قرض لینے والے اور اجنبی میں ہوئی ۔ انتہیٰ ۔

پھر ایک اور حیلہ یہ فرمایا۔ کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع اُدھار بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دیدے۔ پھر قرض لینے والا اس متاع کو کسی اور کے ہاتھ اُتنے

---

[1] فتاویٰ خانیہ علی ہامش ہندیہ ۲/۲۷۹

سے کم کو بیچے جتنے کو خریدی۔ پھر وہ دوسرا شخص اس قرض دینے والے کے ہاتھ اُتنے کو بیچے جتنے کو خود خریدی تا کہ وہ متاع بعینہا اسے پہنچ جائے۔ اور اُس سے قیمت لیکر قرض لینے والے کو دیدے تو قرض لینے والے کو قرض مل جائے گا۔ اور دینے والے کو نفع حاصل ہو جائے گا۔ انتہیٰ۔

(ف) فتاویٰ قاضی خاں پر تطفّل

اقول۔ یہ وہی تیسرا حیلہ ہے جو گذر چکا۔ امام قاضی خاں نے فرمایا۔ کہ اسی حیلہ کا نام بیع عینہ ہے جس کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا۔ اور مشائخ بلخ نے فرمایا۔ کہ بیع عینہ ان بیعوں سے کہ ہمارے بازاروں میں آج کل رائج ہیں بہتر ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا عینہ جائز ہے اور اس پر ثواب ملے گا۔ اور فرمایا ثواب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرام یعنی سُود سے بھاگنا ہے۔ انتہیٰ۔

(ف) پانچواں طریقہ

پانچواں حیلہ یہ فرمایا۔ کہ ایک شخص کے پاس دس۱۰ روپے صحیح ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ان کو بارہ۱۲ روپے ٹوٹے ہوؤں سے بیچے۔ تو یہ جائز نہیں کہ سود ہے۔ پھر اگر وہ حیلہ چاہے تو چاہئے کہ مشتری سے بارہ۱۲ روپے ٹوٹے ہوئے قرض لے۔ پھر دس۱۰ کھرے اس کو ادا کر دے پھر وہ اسے باقی دو روپے معاف کر دے تو یہ جائز ہے۔ انتہیٰ۔

(ف) چھٹا طریقہ

چھٹا حیلہ یہ فرمایا۔ اگر کسی شخص پہ دس روپے ٹوٹے ہوئے ایک وعدہ پر آتے تھے۔ جب وعدہ کا وقت آیا۔ مدیون نو روپے کھرے لایا۔ اور کہا کہ ان دس کے بدلے یہ نو ہیں۔ تو یوں جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ سود ہے۔ تو اگر حیلہ چاہے تو نو۹ کے بدلے نو۹ لے اور ایک معاف کر دے۔ پھر اگر مدیون کو اندیشہ ہو۔ کہ وہ ایک جو باقی رہا۔ یہ معاف

نہ کرے گا۔ تو قرض خواہ کو نو روپے کھرے اور ایک پیسہ یا کوئی اور تھوڑی سی چیز اس باقی روپے کے عوض دیدے۔ تو اب جائز ہو جائے گا۔ اور وہ اندیشہ جاتا رہے گا[۱] انتہیٰ۔

اور اس عبارت میں وہ فائدے ہیں جو تجھ پر پوشیدہ نہ رہیں گے۔ اور آئندہ تقریر میں انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان پر گذر کریں گے۔ اور ہم کو یہی کافی ہے کہ وجہ اول میں اسے بیع عینہ سے تشبیہ دی۔ اور علماء نے فرمایا کہ وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے۔ اور یہ اس لئے کہ بیع عینہ نہیں مگر مکروہ تنزیہی ہے۔ تو ایسے ہی یہ بھی۔

(ف) بیع عینہ صرف مکروہ تنزیہی ہے

اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ وہ ان کے نزدیک پہاڑ کی طرح گراں ہے۔ تجھے ہول میں نہ ڈالے کہ انہوں نے ایسا ہی بلکہ اس سے بھی سخت تر بیع عینہ میں فرمایا ہے۔ اور اس کے لئے ثابت نہ ہوئی مگر کراہت تنزیہیہ۔ ردالمحتار میں طحطاوی اس میں عالمگیری اس میں مختار الفتاویٰ اس میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہے کہ عینہ جائز ہے۔ اس کے کرنے والے کو ثواب ملے گا۔ اور امام محمد نے فرمایا۔ اس بیع کی برائی میرے قلب میں پہاڑوں کے برابر ہے اسے سُود خواروں نے ایجاد کیا۔

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کرو۔ اور بیلوں کی دُم کے پیچھے چلو۔ تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا۔

فتح القدیر میں فرمایا عینہ میں کوئی کراہت نہیں سوا خلافِ اولیٰ کے۔ اس لئے کہ اس میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے رُوگردانی ہے[۲] انتہیٰ۔ اور اسے بحر الرائق اور نہر الفائق اور درمختار اور شرنبلالیہ وغیرہا نے برقرار رکھا۔ نیز فتح القدیر میں ہے امام ابویوسف

---

[۱] فتاویٰ خانیہ حاشیہ عالمگیری ۲/ ۲۷۹

[۲] ردالمحتار ۴/ ۲۷۲

نے فرمایا۔ یہ بیع مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُسے کیا اور اس کی تعریف کی۔ اور اُسے سود نہ ٹھہرایا[1] انتہیٰ۔

(ف) علمِ حدیث وعلمِ اصول میں حدیث مُرسل کی اصطلاحوں کا فرق

اقول۔ امام ابو یوسف کا فرمانا کہ اسے بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا۔ اصولِ فقہ کی اصطلاح پر حدیثِ مرسل ہے کہ ہمارے نزدیک مرسل ہر اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل نہ ہو۔ اور اس کی اقسام میں فرق کرنا اور ان کے جُدا جُدا نام مرسل ومنقطع ومقطوع ومفصّل رکھنا۔ یہ محدّثین کی ایک نری اصطلاح ہے جس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں ہوتی ہیں۔ رہا حکم وہ ہمارے نزدیک ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ثقہ اگر کوئی حدیث مرسل لائے تو مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب منیر العین ۱۳۱۳ھ فی حکم تقبیل الابہامین میں اس کی تحقیق بیان کی۔ اور مسلّم الثبوت وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی۔ اور امام ابو یوسف سے بڑھ کر تجھے اور کونسا ثقہ درکار ہے؟ تو جب بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت ہوئی۔ تو اس سے عدول نہ ہو گا اس لئے کہ ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقلید ہے اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا۔

(ف) حدیث عینہ کی پرکھ

رہی وہ حدیث کہ جب تم بطور عینہ خرید وفروخت کرو گے۔ اسے امام احمد وابوداؤد وبزاز وابویعلی وبیہقی نے نافع سے انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ امام ابن حجر نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے۔ اور امام احمد کے یہاں اس کی ایک

---

[1] فتح القدیر : ۵/۴۲۵ مصر)

سند اور ہے اس سے بہتر۔ انتہی۔ اور ابوداؤد کی عبدالرحمان خراسانی اسحاق بن اسید انصاری ہیں۔ ابن ابی حاتم نے کہا وہ کچھ ایسے مشہور نہیں۔ اور ابوحاتم نے کہا۔ اُن سے کام نہ لیا جائے۔ اور ذہبی نے کہا۔ وہ جائز الحدیث ہیں[1]۔ پھر کنیتوں میں انہیں دوبارہ ذکر کیا اور اس حدیث کو اُن کی احادیثِ منکرہ سے گنا[2] اور تقریب میں فرمایا کہ اُن میں ضعف ہے[3] انتہی۔ بالجملہ یہ حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں۔ اور بیشک امام سیوطی نے جامع الصغیر میں اس کے حسن ہونے کی رمز لکھی[4]۔ اور یہ حدیث بہت سندوں سے آئی جنکے لئے بیہقی نے اپنی سنن میں ایک فصل خاص وضع کی اور ان کی علتیں بیان کیں۔

(ف) مُجتہد کا کسی حدیث سے دلیل لانا اُس کی صحت کا حکم فرمانا ہے

اقول۔ کلام فتح القدیر سے ظاہر یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے۔ تو اس صورت میں تو وہ ضرور صحیح ہے اس لئے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے۔ تو وہ اُس حدیث کی صحت کا حکم ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے تحریر اور اُن کے غیر نے غیر میں افادہ فرمایا۔ بہرحال حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی دلالت نہیں۔ کیا اس کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے۔ کہ جب تم بیلوں کی دُم پکڑو۔ یعنی کھیتی کرو۔ ذلت میں پڑو۔ جیسا کہ اس کی یہ تفسیر فتح القدیر میں فرمائی۔ فرمایا۔ اس لئے کہ وہ اس وقت جہاد چھوڑ دیں گے۔ اور طبیعت نامردی کی عادی ہو جائے گی[5] انتہی۔ بلکہ وہ نفس روایت ابوداؤد میں ان لفظوں سے ہے کہ جب تم بیلوں کی دُمیں پکڑو اور کشت کاری میں پڑ جاؤ اور جہاد چھوڑ دو۔ آخر حدیث تک[6]

---

[1] میزان الاعتدال علامہ ذہبی ۱/۱۸۴ ، بیروت
[2] " " " ۴/۵۴۷
[3] ابن حجر عسقلانی تقریب التہذیب : ص ۲۸ ، گوجرانوالہ پاکستان
[4] جامع الصغیر مع فیض القدیر : ۱/۳۱۴ بیروت
[5] فتح القدیر : ۵/۴۲۵
[6] (ا) ابوداؤد ۲/۷۴ (ب) فیض القدیر : ۱/۳۱۴

سب سے افضل ذریعۂ معاش

اور معلوم ہے کہ کھیتی منع نہیں بلکہ وہ جمہور کے نزدیک جہاد کے بعد سب پیشوں سے افضل ہے۔ اور بعض نے کہا کہ جہاد کے بعد تجارت۔ پھر زراعت پھر حرفت۔ جیسا کہ وجیز کردری میں ہے ولہذا جبکہ عنایہ میں اس حدیث سے بیع عینہ کی مذمت پر دلیل لائے۔ علامہ سعدی آفندی نے فرمایا۔ کہ میں کہتا ہوں۔ اگر یہ دلیل صحیح ہوجائے تو زراعت بھی مذموم ہوجائے گی۔[۱] انتہی۔ اور ہدایہ و تبیین ودر مختار وغیرہا میں اس کراہت کی صرف اتنی دلیل بتائی کہ اس میں قرض دینے کے نیک سلوک سے روگردانی ہے۔ ہدایہ میں اتنا زیادہ فرمایا کہ بخل مذموم کی پیروی کر کے[۲] اور تجھے معلوم ہے کہ نیک سلوک سے رُوگردانی کچھ کراہت تحریم کی موجب نہیں۔ لہذا فتح القدیر میں فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں کہ وعدہ کے مقابل تو ثمن کا ایک حصہ ہولیا۔ اور آدمی پر واجب نہیں کہ ہمیشہ قرض دیا کرے بلکہ وہ ایک نیک بات ہے[۳] انتہی۔ اور عنایہ میں فرمایا قرض دینے سے روگردانی مکروہ نہیں۔ اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں اپنا نفع چاہے وہ بھی ایسا ہی ہے ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا۔ انتہی[۴]

(ف) خرید و فروخت میں کوشش کرنا سنّت ہے

اقول بلکہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ اور خرید و فروخت میں کوشش کرنا سنت ہے۔ اور بیشک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں نہ ناموری نہ ثواب۔ یہ حدیث اصحابِ سنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی معجم میں امام حسن

۱؎ حاشیہ آفندی علی فتح القدیر ۵/ ۴۲۵

۲؎ ہدایہ ۳/ ۱۲۴

۳؎ فتح القدیر ۵/ ۴۲۵

۴؎ شرح ہدایہ حاشیہ فتح القدیر ۵/ ۴۲۴

الہ خطیب نے مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت[1] کی۔ تو اس میں نہایت وجہ کی کراہت تنزیہ ہے۔ ورنہ بصحت ثابت ہو لیا۔ کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور تعریف فرمائی۔

اور علامہ عبد الحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ تعالیٰ حاشیۂ درر میں لکھتے ہیں۔ امام ابو یوسف سے روایت یوں ہے کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے اس لئے کہ اس حرام سے بھاگنا ہے اور حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اس لئے کہ بکثرت صحابہ نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔ انتہیٰ۔ اور اُن کی روشن عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی امام ابو یوسف کا کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ صورت مذکورہ کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی ایک[1] دلیل ہے۔

(ف) دلیل دوم

تمام علماء کی تصریح ہے کہ جب قدر یا جنس میں کوئی معدوم ہو تو زیادتی حلال ہے۔
اور یقیناً معلوم ہے کہ اشرفی اور روپیہ یا اشرفی اور پیسہ ایک جنس نہیں تو حلال ہونا واجب ہوا۔ تو کراہت تحریمی کدھر سے آئے گی

(ف) مقدار میں کمی بیشی کی چار صورتیں ہیں اور مختلف جنسوں میں چاروں حلال ہیں

اور تحقیق یہ ہے کہ زیادتی صورتیں چار ہیں۔ اوّل[1] یہ کہ جس کی مالیت زیادہ ہو۔ اسی کی مقدار زیادہ ہو۔ اور دوسری[2] یہ کہ اس کی مقدار تو کم ہو کہ اس کی مالیت اب بھی زیادہ ہو۔ بلکہ کئی گنا بڑھ کر جیسے روپے کے ساتھ اشرفی۔ تیسری[3] یہ کہ مقدار میں اتنی کم ہو کہ اس کی مالیت بھی

---

[1] حافظ ابو القاسم طبرانی معجم طبرانی : ۸۴/۳

اس کے مقابل سے گھٹ جائے۔

اور چوتھے یہ کہ اس کی مقدار اس حد تک کم ہو۔ کہ دونوں مالیت میں برابر ہو جائیں اور تمام علماء نے اتنا ہی فرمایا ہے کہ جب جنس مختلف ہو تو کمی بیشی جائز ہے۔ اور اسے کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہ کیا تو چاروں صورتوں کو شامل ہو گا۔ اور اگر وہاں کراہت تحریمی ہوئی تو چار صورتوں میں صرف ایک حلال ہوتی۔ اور وہ چوتھی صورت ہے۔ پھر یہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ دو جنس کی چیزیں جب مقدار میں برابر ہوں تو ان کی مالیت بھی یکساں ہو اور علماء نے کمی بیشی حلال ہونے کا حکم فرمایا۔ اور وہ اس صورت میں مالیت کی کمی بیشی کو مستلزم ہے تو اس کا حلال ہونا واجب ہوا۔

(ف) دلیل سوم

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو۔ تو وہ کون ہے جو اسے گناہ اور مکروہ تحریمی بتلائے گا حالانکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی اجازت فرما چکے۔

دلیل چہارم

وہ جو ابھی ہم فتاویٰ قاضی خاں سے بیان کر آئے کہ روپے کے بدلے ایک پیسہ دیدے تو یہ جائز ہو گا اور امان حاصل ہو گی۔ اور گناہ ہونے کے بعد کونسی امان ہے۔

دلیل پنجم

مثلاً اشرفی اور روپے یا پیسہ اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں مگر مالیت کی تو اگر اس سے کراہت تحریم لازم ہوتی اس بنا پر کہ دونوں عاقدوں میں سے ایک نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے تو اس کو اس پر زیادتی رہی۔ تو واجب ہو گا کہ کھرے اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا مکروہ تحریمی ہو۔ جبکہ کھرے کی قیمت سے اتنی زیادہ ہو جس میں لوگ

ایک دوسرے سے غبن نہ کھائیں جیسے اس کی مالیت اس کی مالیت سے دُونی یا کئی گُنا ہو۔ اس لئے کہ کراہت تحریم کا وہ موجب یہاں بھی یقیناً حاصل ہے۔ اور حکم اپنے موجب سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ حالانکہ کھوٹے کھرے کا وزن میں برابر ہونا اسی کا شرع نے حکم دیا ہے اور ایسے ہی وہ جو صناعی کے سبب بڑھ جائے۔ یہاں تک کہ اس کی قیمت اس کے ہموزن پتّر یا روپیوں سے کئی گنا ہو جائے تو اس میں وزن کی برابری اس کراہت تحریم کی موجب ہوگی جو تم نے قرار دی ہے۔ حالانکہ وہی شرعًا واجب ہے تو اس وقت یہ ہوگا کہ شرع نے وہ چیز واجب کی جو گناہ ہے۔

مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ ہے اور مکروہ تنزیہی مباح ہے اور مولوی لکھنوی کا پاؤں پھسلا

مکروہ تحریمی ممنوع ہے۔ اور اس کا کرنا گناہ اگرچہ گناہ صغیرہ ہے۔ جیساکہ بحرالرائق ودرمختار وغیرھما نے تصریح کی اور عادت ڈالے کبیرہ ہو جائے گا اور شک نہیں کہ شرع اس سے بلند و بالا ہے کہ معصیت کا حکم دے۔ اور گناہ کرنا واجب کرے بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ وہ مباح میں سے ہے اور معصیت میں سے یقیناً نہیں۔ کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسے قصداً کرتے ہیں کہ اس کا جائز ہونا ظاہر ہو جائے اور انہی لکھنوی کا حقہ کے رسالہ میں قدم پھسلا۔ تو مکروہ تنزیہی کو گناہ اور اس پر اصرار کو کبیرہ ٹھہرا دیا۔ اور یہ فاحش غلطی ہے کہ اس کا عیب میں نے ایک مستقل رسالہ میں بیان کیا اور اس رسالے کا نام جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ ۱۳۰۴ رکھا۔

اور یہ عذر کرنا کہ ایک جنس ہونے کی حالت میں شرع نے مالیّت کا اعتبار ساقط فرمادیا ہے کچھ نفع نہ دے گا۔ اس لئے کہ یہی تو پہلی بحث ہے کہ اگر شرع کی نظر میں مالیّت کی زیادتی موجب معصیت تھی تو کیوں اس کا اعتبار ساقط فرمادیا حالانکہ اس میں خود مقصود شرع کا باطل کرنا تھا مقصود کیا ہے لوگوں کا مال بچانا۔ اور مال کی حقیقت تو مالیّت ہی ہے۔ اور اس میں سود خوار وں کو ان کے قصد فاسد تک پہنچانا ہوگا کہ ان کی

غرض تو مالیت ہی سے متعلق ہے۔ جب انہوں نے مالیت زیادہ پالی تو وہ اپنی مراد کو پہنچے۔ اور وزن کی کمی بیشی کی طرف ان کی نظر نہیں۔ تو ظاہر ہو گیا کہ مالیت میں زیادتی کی طرف شرع اصلاً نظر نہیں فرماتی تو ممکن نہیں کہ اصلاً کراہت تحریم واجب کرے اور یہی مقصود ہے۔

(ف) دلیل ششم

تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے لبریز ہیں کہ ایک پیسہ دو پیسہ کو بیچنا جائز ہے اور بحر الرائق میں فرمایا کہ ان کی مراد خاص یہی نہیں کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا بیان مقصود ہے

(ف) ایک پیسہ سو پیسے کو بیچنا حلال ہے جب کہ دونوں طرف سے پیسے معین ہوں

یہاں تک کہ ایک پیسہ سو معین پیسے کو بیچے۔ تو امام اعظم اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک حلال ہے۔[1] اور اس سے بڑھ کر تو اس پر اور کونسا روشن تر نص چاہتا ہے کہ مالیت میں کمی بیشی روا ہے والحمد للہ۔ ہاں حلال ہونا کبھی کراہت تنزیہہ کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے جیسا کہ علماء نے تصریح فرمائی۔

(ف) دلیل ہفتم

عینہ مذکورہ کہ اس کی بنا ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے۔ اور وہ کچھ اسی پر بند نہیں کہ دس کے بارہ[۱۲] یا تیرہ[۱۳] کریں جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے یا پندرہ[۱۵] جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ بلکہ دونا دون کی صورت بھی اس میں بیان کی گئی ہے۔ فتح القدیر میں فرمایا کہ عینہ کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنی متاع قرض لینے کے ہاتھ ایک وعدہ پر دو ہزار کو بیچے پھر کسی درمیانی شخص کو بھیجے کہ وہ اس سے اپنے لئے ہزار روپے نقد کو خرید کر قبضہ کر لے یہ درمیانہ

---

[1] بحر الرائق : ۶/ ۱۳۲ (ط کراچی)

شخص پہلے شخص سے اسے ہزار کو بیچ ڈالے پھر وہ درمیانہ اپنے بائع یعنی قرض لینے والے کا ثمن پہلے بائع پر اُتار دے۔ اور وہ ہزار روپے نقد ہیں۔ تو یہ پہلا بائع ہزار روپے قرض لینے والے کو دیدے اور وعدہ پر دو ہزار اس سے لے لے[1] انتہیٰ۔ اور جب دو نا جائز ہوا تو کئی گنا بھی جائز ہے۔

اقول اس درمیانہ شخص کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ قرض لینے والے سے (ہزار کی چیز) دو ہزار کو بیچے۔ وہ بازار میں ہزار کو بیچ لے۔ تاکہ وہ متاع قرض دینے والے کی طرف سے کرے۔ کہ عود کرنے کی حالت میں محقق کے نزدیک مکروہ تحریمی ہو جائے گی۔ اگرچہ اس میں کلام کی گنجائش ہے کہ اپنی بیچی ہوئی چیز جتنے کو بیچی ہے اس سے کم کو خریدنا بالاجماع جائز ہے جبکہ تیسرا شخص متوسط ہے اور علماء نے اس میں کوئی گناہ تحریر نہیں فرمایا

(فتح القدیر پر تطفل

اور امام فقیہ النفس قاضی خاں سے یہ امر اوپر گزر چکا جہاں انہوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے بیان فرمائے ہیں اور اگر معصیت باقی رہی تو حیلہ کہاں پورا ہوا۔ لاجرم علامہ عبدالحلیم نے حواشی دُرر میں فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے چاہے جو متاع دی وہ پوری دینے والے کی طرف عود کر آئے یا اس کا حصہ یا کچھ نہیں۔ متدبّر۔

(ف) دلیل ہشتم

وصی اگر یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اس کے ہاتھ بیچنا چاہے۔ تو اس کے جواز کے لئے علماء نے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید و فروخت میں یتیم کا نفع ہو۔ اور اس نفع کی مقدار جائیداد غیر منقولہ میں دو چند رکھی اور منقولہ میں ڈیوڑھی جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں[2] اور فتاویٰ عالمگیری

---

[1] ابن الہمام فتح القدیر ۵/۲۵۴ [2] فتاویٰ خانیہ علی ہامش الہندیہ ۲/۲۸۶

میں ہے۔ اور وصی اگر یتیم کا مال کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنا چاہے اور نابالغ کو اس کی قیمت کی ضرورت نہ ہو۔ اور نہ مورث پر کوئی دَین ہو۔ کہ بغیر اس کے بیچے پورا نہ ہو۔ تو اس صورت میں جوازِ بیع کی یہ شرط لگائی کہ دونی قیمت پر بیچے۔ ہندیہ میں محیط سرخسی سے نقل کیا۔ کہ اس پر فتویٰ ہے[1] تو مالیت کی اس کمی بیشی کا خود شرع کی طرف سے حکم ہے۔

(ف) دلیل نہم

وہ جو فتح القدیر وغیرہ معتمد کتابوں سے گذرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے۔ اور مکروہ نہیں۔

(ف) دلیل دہم

ردالمحتار کے باب ربا میں ذخیرہ سے ہے۔ جب نانبائی کو گیہوں اکٹھے دیدئے اور روٹی تھوڑی تھوڑی کر کے لی۔ تو یوں چاہئے کہ گیہوں والا نانبائی کے ہاتھ ایک انگوٹھی یا چاقو مثلاً ہزار من کو بیچے[2] الخ اور بھلا کہاں چاقو کہاں ہزار من روٹی۔ اور اس کے نظائر اگر ہم بیان کرتے جائیں تو ہم ان کا احاطہ نہ کر سکیں گے۔ اور دلیل ششم کے بعد جو ہم یہاں تک اتر آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو علماء نے فرمایا تھا کہ جس جانب وزن کی کمی ہے کوئی چیز ملا دی جائے وہ ان کے کلام میں مطلق ہے۔ خواہ ثمن ہو یا متاع اور اموالِ ربا سے یا نہیں۔ تو یہ تحقیقِ مسئلہ کی انتہا ہے۔

---

[1] الہندیہ ۳ / ۱۷۶

[2] ردالمحتار ۴ / ۲۰۷

(ف) کلامِ شیخ عبدالحلیم سے پہلا جواب

(مطلب) کسی چیز کا خود واجب ہونا اور بات اور دوسری شے کے لئے وجوب اور بات

رہا فاضل عبدالحلیم رومی کا کلام اقول اوّلاً حصولِ احتیاط کے لئے کسی شے کا وجوب اس کا فی نفسہٖ وجوب نہیں اور شک نہیں کہ خرابی کے ڈر سے جس چیز میں خرابی نہیں اسے چھوڑنا دین میں احتیاط کے قبیل سے ہے۔ اور یہ اسی طور پر حاصل ہوگا جو انہوں نے ذکر کیا۔ تو احتیاط کے واجبات سے ہوا۔ کہ کسی شے کے لئے واجب وہی ہے جس کے بغیر شے حاصل نہ ہو۔

(ف) دوسرا جواب

(ف) کبھی مستحب کو بھی واجب کہتے ہیں)

ثانیًا۔ اکثر عُرف میں مستحب کو واجب کہتے ہیں۔ اور اس میں سے درمختار کا یہ قول کہ نمازِ عید کے بعد تکبیر کہنے میں کچھ حرج نہیں اس لئے کہ یہ مسلمانوں میں سلف سے چلا آتا ہے تو اُن کی پیروی واجب ہوئی[۱] اور شامی نے دوسری جگہ اس کی ایک نظیر یہ بیان کی۔ کہ عُرف میں کہتے ہیں تیرا حق مجھ پر واجب ہے۔ اور فتح القدیر کی کتاب ادب القاضی میں اس قولِ ماتن کے نیچے کہ قاضی جنازہ پر حاضر ہو اور بیمار کے پوچھنے کو جائے۔ ادب المفرد بخاری کی یہ حدیث:۔

(ف) مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں

ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کی۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:۔

مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں اگر اُن میں سے کوئی چیز ترک کرے تو اپنے

بھائی کا ایک حق چھوڑے گا جو اس کے لئے اس پر واجب تھا۔ ملاقات[1] کے وقت اسے سلام کرے۔ اور وہ[2] دعوت کرے تو قبول کرے۔ یا وہ پکارے تو جواب دے۔ اور[3] جب اسے چھینک آئے (اور وہ حمد الٰہی بجالائے) تو یہ اسے یرحمک اللہ کہے۔ بیمار[4] پڑے تو اسے پوچھنے جائے۔ اور اس کی موت[5] میں حاضر ہو اور اگر اس سے نصیحت[6] چاہے تو نصیحت کرے۔

پھر محقق نے فرمایا کہ اس حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر حل کریں۔ جو وجوب کے اس معنی سے کہ فقہ کی اصطلاح حادث میں ہے عام ہو۔ اس لئے کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ ابتدا بہ سلام واجب ہو۔ اور نماز جنازہ فرض عین ہو۔ تو حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں۔ خواہ مستحب ہوں یا واجب فقہی۔ انتہی[1]

اور عبارت عبد الحلیم میں یہ معنی وجوب لینا ضرور ہے بسبب ان دلیلوں کے جو ہم قائم کر چکے۔ اور اگر تو اسے ظاہر پر محمول کئے بغیر نہ مانے تو یہ شیخ عبد الحلیم کی اپنی ایک سمجھ ہے۔ جس پر انہوں نے کوئی نقلی سند پیش نہ کی۔ اور ان کی فہم شرع میں حجت نہیں خصوصاً جبکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہوں۔

(ف) تیسرا جواب

(ف) ایک واقعہ کا ذکر کہ سلطنت علیہ عثمانیہ میں واقع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سلطنت کی حفاظت فرمائے۔ اور اس واقعہ کے حکم کا بیان

ثالثاً ۔ اگر اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو ان کا کلام خود اپنے نفس کا مناقض ہو گا اس لئے کہ انہوں نے اس کلام سے ایک ورق بعد دولت عثمانیہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ پرانے روپے جن میں میل ہے اور چاندی غالب ہوتی ہے انہیں نئے کھرے روپے سے بدلتے ہیں۔ اور ان اینٹوں کے چلن کے بعد پرانوں سے معاملہ کرنا منع کر دیا

---

[1] امام ابن ہمام فتح القدیر ۵/۴۶۹

جاتا ہے اور پُرانوں کا کھوٹا پن یہاں تک ہے کہ ایک بڑا روپیہ رومی جسے قرش کہتے ہیں۔ اُن پرانوں کے ایک سو بیس[۱۲۰] کے برابر ہوتا ہے۔ اور اشرفی دو سو چالیس روپے کے برابر جب نئے روپے چل جاتے ہیں تو قرش کی قیمت ان نئوں سے اسّی[۸۰] روپے رہ جاتی ہے اور اشرفی ایک سو بیس کی۔ تو لوگوں کا وہ لین دین جو پُرانے روپوں کے زمانہ میں ہوا تھا اور اس میں بڑا جھگڑا اپڑ جاتا ہے۔

تو علمائے محروسہ قسطنطنیہ سے ہمارے اگلے سرداروں نے یہ فتویٰ دیا کہ تہائی دین اتار دیں تو ایک سو بیس[۱۲۰] پُرانے روپے کی جگہ مدیون دائن کو نئے اسی روپے یا ایک قرش دے اور دو سو چالیس پرانے روپے کی جگہ ایک اشرفی یا دو قرش یہاں تک کہ ہمارے استاذ مرحوم اسعد بن سعد الدین کے افتاء کا وقت آیا۔ تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ زمانہ عقد میں پرانے روپوں کی جو قیمت تھی۔ اتنی قیمت کی اشرفیاں دی جائیں۔ مثلاً ہر دو سو چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی دے اور یہ جائز نہ رکھا کہ اسے نیا روپیہ یا قرش دے۔ اور تصریح فرمائی کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقۃً سُود ہے یا اُس کا شبہ۔

پھر شیخ عبدالحلیم نے کہا۔ کہ وہ جو پہلوں نے فتویٰ دیا۔ وہ بھی صحیح ہے اور اس کے ساتھ اس میں آسانی ہے اور ادائے دین کے دائرہ میں وسعت۔ اس کی صحت تو اس سبب سے ہے کہ پرانے روپوں کا جب بعینہٖ ایسا ہی چلن تھا جیسے اشرفی اور قرش کا۔ تو ثابت ہوا کہ مدیون پر دَین اسی تفصیل سے ٹھہرا۔ اور دَین کا حاصل اس طرف پھرے گا کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے کسی نوع میں سے ہو۔ پرانے روپے ہوں یا قرش۔ یا اشرفی۔ جیسا کہ فقہا علیہ الرحمۃ نے اس کی تصریح فرمائی ہے جبکہ مختلف سکوں کا ایک سا چلن ہو۔ تو جب پرانوں کا چلن بند کر دیا گیا۔ اور نئے چلنے لگے۔ اور قرش اور اشرفی کا بھاؤ اس مقدار پر کہ اوپر مذکور ہوئی۔ اتر گیا۔ دَین بھی اُتنا ہی اتر جائے گا۔ اور اس میں دائرہ کی وسعت اور پوری آسانی ہے۔ اس لئے کہ دیون جس نوع پر قدرت پائے گا۔ اس میں سے ادا کرے گا۔ بخلاف دوسرے فتویٰ کے اس لئے کہ کبھی مدیون کے پاس اشرفی نہیں ہوتی۔ اور نہ اسے ملتی ہے۔ اور کبھی کُل دین یا باقی اتنا نہیں ہوتا کہ اشرفی کی مقدار کو پہنچے۔ تو ادا دشوار ہو گی۔ حالانکہ جو

ثمن زمانہ عقد میں رائج تھے وہ پرانے روپوں کے سوا بدستور رائج ہیں اُن کا نہ چلن گھٹا نہ منع کیا گیا سوا اس کے کہ نئے روپوں سے ان کا بھاؤ سستا ہو گیا۔ تو کہاں سے مدیون کو مجبور کیا جائے گا کہ خاص اشرفی ہی سے اپنا دین ادا کرے۔ تو ظاہر ہوا۔ کہ وہ جو پہلا فتویٰ تھا صحیح اور آسان ہے اس میں کچھ دشواری نہیں۔

ہاں اگر یہ مان لیا جائے کہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنے میں حقیقۃً ربا ہے۔ یا حکماً یوں کہ دونوں کا وزن برابر نہیں۔ یا برابری کا علم نہیں۔ تو وہ یوں دفع ہو جائے گا کہ نئے روپے یا قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کر دیا جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ انتہیٰ ملخصاً۔

اور یہ مسئلہ دُرمختار وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور صاحب درمختار نے اسی کو اختیار کیا جو سعدی آفندی کا فتویٰ ہے۔ کہ مدیون پر سونے ہی سے ادا کرنا واجب ہے۔ اور علامہ شامی نے اُس طرف میل کیا جس طرف شیخ عبدالحلیم کی رائے جھکی [۱] اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اوّل تو ہم یہی نہیں مانتے کہ مدیون کے ذمہ خاص پُرانے روپے ہی دینا واجب تھے۔ تاکہ نئے پرانے یا قرش سے ادا کرنا جبکہ وہ پرانوں سے وزن میں برابر نہ ہوں ربا ٹھہرے۔ بلکہ اتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ ان تینوں سکّوں میں سے جس سے چاہے کر لے تو جب اُن میں سے ایک کا چلن جاتا رہا تو دو باقیوں میں سے جس سے چاہے ادا کر دے۔

اقول۔ یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان کا یہ فرمانا کہ تہائی دَین اُتار دیا جائے مسامحہ ہے روپوں کی گنتی میں جو ظاہراً تغیر ہوا۔ اس پر نظر فرما کر ایسا کہا کہ ایک سو بیس [۱۲۰] کی جگہ نئے اسّی [۸۰] دے گا ورنہ مالیت میں اصلاً تغیر نہ ہوا۔

دوسرے یہ کہ اگر خاص پرانے روپے لازم ہونا مان لیا جائے تو سُود یوں دفع ہو جائے گا۔ کہ نئے روپوں یا قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کر دے۔ اور فاضل عبدالحلیم نے لوگوں کو اس کا فتویٰ دیا اور اسے پوری آسانی بلا دشواری بتایا۔ اور کراہت تحریم ہونے کے بعد کونسی آسانی ہے۔ تو وہ معنے جو ہم نے ذکر کئے اُن سے مفر نہیں اور توفیق اللہ

---

[۱] ردالمحتار ۴/ ۱۹۳ (مصطفٰی البابی مصر)

ہی کی طرف سے ہے۔ بالجملہ ایسے شبہات اس قابل نہ تھے کہ ذکر کئے جائیں اور لکھے جائیں اگر یہ نہ ہوتا کہ ان کے جوابوں سے چمکتے ہوئے فائدے ظاہر ہوتے۔

(ف) مولوی لکھنوی پر پانچواں ردّ

اقول۔ الحمدللہ۔ اس تقریر سے روشن ہوگیا کہ دس کا نوٹ بارہ[۱۲] کو بیچنا درکنار ایک اشرفی ایک روپے بلکہ ایک پیسے کو بیچنے میں ربا تو ربا اس کا شبہ بھی نہیں۔ برخلاف اس کے جو لکھنوی نے زعم کیا اس لئے کہ حرام چیزوں میں شبہ بھی حکمِ یقین میں ہے۔ جیسا کہ ہدایہ[۱] وغیرہ میں منصوص ہے۔ تو اگر یہاں شبہ ہوتا تو حرمت واجب ہوتی چہ جائے کراہت تحریم اور دلائل قائم ہوچکے کہ یہاں کراہت تحریم بھی نہیں چہ جائے حرمت۔ تو ظاہر ہوا کہ یہاں نہ سود ہے نہ سود کا شبہ۔ یہ تو لیجئے اور آگے سنیے ان منع کرنے والے کی بڑی سند جو کچھ ہے یہ ہے کہ نوٹ[۲] روپوں میں غرق ہے گویا کہ وہ بعینہٖ روپیہ ہے۔ اور کچھ فرق نہیں۔ اسی واسطے لوگ معاملات میں روپے اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ تو گویا وہ یوں ہوا۔ کہ دس[۱۰] روپے بارہ[۱۲] روپے کو بیچے گئے اور وہ بلاشک ربا ہے۔ تو یہ اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب سود سے لاحق ہوکر حرام ہو جائے گا۔

۱؎ ہدایہ: باب الرّبا

۲؎ بلکہ ان مولوی لکھنوی نے یہ زعم کیا کہ سَو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود سَو روپیہ بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے۔

(ف) مولوی لکھنوی پر چھٹا ردّ۔

اقول اوّلاً[۱]۔ اگر معاملہ یوں ہوتا تو روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا اصلاً جائز نہ ہوتا کہ اب یہ سَو روپے انگریزی سو روپے انگریزی کو بیچنا ہوا۔ اور انگریزی روپے باہم کچھ فرق نہیں رکھتے۔ تو یہ سو روپے دے کر وہ سو روپے لینا نرا عبث ہو۔ اور شرع عبث کو مشروع نہیں فرماتی۔ اشباہ میں ہے عقد جب صحیح ہوتا ہے۔ کہ اس سے کچھ فائدہ بھی ہو۔ جو محض بے فائدہ ہے وہ عقد صحیح نہیں۔ تو ایک روپیہ ایک (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

اس وہم کا ازالہ جو اس مسئلہ میں مولوی لکھنوی کی بڑی پونجی ہے

اقول ۔ وباللہ التوفیق۔ یہ شبہ تو اور بھی ردی اور بھونڈا ہے۔ مگر کوئی تعجب نہیں کہ کمان انجان کے ہاتھ میں ہے۔ ہر وہ شخص جو بچپن سے کچھ بھی آگے بڑھا ہے جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمنوں کے اندا ؍ ے یحقیقی ہی ثمن سے کئے جاتے ہیں بلکہ تمام نقدوں کیلئے روپوں سے اندازہ ہے خواہ اشرفیاں ہوں ۔ یا اور کچھ ۔ اورانہیں کچھ نہ کچھ روپوں سے نسبت ضرور ہوگی تو ایک ساورن پندرہ روپے کی ۔ اور دوانی روپے کا آٹھواں حصہ اور چوانی

(بقیہ حاشیہ) روپیہ کو بیچنا ناجائز ہے جبکہ دونوں روپے وزن اور حالت میں برابر ہوں جیساکہ ذخیرہ میں ہے۔ انتہی

(ف۲) اُن پر ساتواں رد :۔

ثانیاً۔ مولوی صاحب! ذرا اپنی مسند سے اٹھ کر کسی دن بازار کو جائیے ۔ جب دیکھئے کہ زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا۔ تو اس سے پوچھئے ۔ کیا تو نے اس سے یوں کہا تھا کہ میں نے تیرے ہاتھ سو روپے بیچے وہ ابھی ابھی جواب دے گا کہ نہ ۔ بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ یہ نوٹ تیرے ہاتھ بیچا۔ اب اس سے پوچھئے کیا تُو نے یہ یہ قصد کیا تھا۔ کہ اپنے سو روپے عمرو کے سو روپوں سے بدلے ۔ وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ ۔ بلکہ اپنا نوٹ اُس کے روپوں سے بدلنا چاہا۔ اب اس سے پوچھئے ۔ تو نے اپنے روپوں کی قیمت لی ۔ وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ ۔ بلکہ اپنے نوٹ کی ۔ اب اس سے پوچھئے کیا تُو اپنی تھیلی میں سے سو روپے اسے دے گا ۔ وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ ۔ بلکہ اسے اپنا نوٹ دوں گا ۔ اسوقت آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دن اور رات میں یہ فرق ہے۔

(ف۳) اُن پر آٹھواں رد :۔

ثالثاً۔ کاش آپ کو مبیع اور معدوم کا فرق معلوم ہوتا اسلئے کہ بارہا نوٹ بیچنے والے کے پاس روپے نہیں ہوتے بلکہ ایک روپیہ تک نہیں ہوتا۔ تو اگر اسے سو روپیہ بیچنا مقصود ہوتے تو معدوم کی بیع کررہا ہے اور معدوم کی بیع باطل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

چوتھائی۔ اور اٹھنی آدھا۔ اور ایک روپے کے سولہ آنے۔ اور فلاں نوٹ دس روپے کا۔ فلاں سو کا۔ وعلیٰ ہذا القیاس اور جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو تو اہل عرف معاملات میں اُن کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ تو جو کوئی کپڑا ایک پونڈ انگریزی کو خریدے اور دے پندرہ روپے یا اس کا ایک عکس۔ تو نہ اسے کوئی تبدیل کہے گا۔ نہ قرارداد کا پھیرنا۔ اور نہ اس سے بائع انکار کرے گا نہ کوئی اور۔ اور یوں ہی دوانی اور آٹھ پیسے

(بقیہ حاشیہ)

(فٓ) اُن پر نانواں رد:۔

ورابعًا۔ جسے ڈاک میں بھیجنے کے لئے نوٹ درکار ہو۔ کہ ڈاک میں نوٹ بھیجنا روپے بھیجنے سے آسان بھی ہے۔ اور خرچ بھی کم ہے اس کے ہاتھ جبکہ زید نوٹ بیچے۔ اور پھر نوٹ دے۔ بلکہ اس کی جگہ سو روپے دینا چاہے تو خریدار ہرگز نہ لے گا۔ اور اس سے کہے گا کہ میں نے تجھ سے نوٹ خریدا تھا روپے تو خود میرے پاس موجود تھے۔ مجھے تجھ سے روپے خریدنے کی کیا حاجت تھی۔ اس وقت آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ نوٹ بیچنے میں اُن کا یہ قصد قرار دینا کہ روپے بیچتے ہیں اُن پر افتراء ہے۔

(فٓ) اُن پر دسواں رد:۔

وخامسًا۔ نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے روپے لیکر نوٹ دے۔ بلکہ روپے ہی پھیرے تو یہ ان کے نزدیک بیع کا فسخ ٹھہرتا ہے نہ یہ کہ اس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے اور یہ سب باتیں ہر اس شخص پر روشن ہیں جسے داہنے و بائیں میں تمیز ہو تو سبحان اللہ وہ سو روپے جو بیچنے ٹھہرائے۔ عجب مبیع ہیں کہ نہ ان پر خرید و فروخت کا لفظ واقع ہوا۔ نہ ان کے لینے دینے کا ارادہ ہوا۔ بائع نے وہ دیئے بلکہ وہ دے تو خریدار لے نہیں اور مبیع کا دینا نہ ٹھہرے۔ بلکہ یار رہا وہ بائع کے پاس ہوتے بھی نہیں۔ تو دنیا میں ایسی کوئی مبیع سنی ہے کہ بک گئی اور نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود۔ مگر ہے یہ کہ فہم یا فکر کی کمی عجائب لاتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی و عافیت مانگتے ہیں۔

(فٓ) اُن پر گیارھواں رد

اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ مولوی صاحب نے جو پیسوں اور نوٹ میں یوں فرق نکالنا چاہا ہے کہ اگر وہ ایک روپے کے عوض کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یا تین دوانیاں اور آٹھ پیسے۔ یا ایک چوانی اور سولہ پیسے۔ یا ایک دوانی اور چوبیس پیسے یا سب کے بتیس، پیسے۔ یہ نو کی نو صورتیں سب ان کے نزدیک برابر ہیں۔ اور اُن میں اصلا فرق نہیں کرتے اس لئے کہ سب میں مالیت اور چلن یکساں ہے اور یہ کچھ عرف میں نہیں ہے بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو اختیار دیا ہے کہ ان میں سے جس صورت پر چاہے ادا کرے اور اگر بیچنے والا ان میں سے کسی صورت کو نہ مانے اور کوئی دوسری صورت مشتری پر لازم کرنا چاہے تو یہ اس کی طرف سے بیجا ہٹ ہوگی اور مانی نہ جائیگی۔ تنویر الابصار میں جو فرمایا۔ کہ مطلق ثمن شہر کے اس نقد کی طرف پھرتا ہے جس کا چلن زیادہ ہو۔ اور اگر وہ سکے مالیت میں مختلف ہوں۔ اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ اس کے تحت میں علامہ شامی نے فرمایا۔ لیکن اگر چلن ایک سا نہ ہو۔ مالیت خواہ مختلف ہو یا نہیں تو عقد صحیح رہے گا۔ اور جس کا چلن زیادہ ہے وہ مراد ٹھہرے گا۔ یوں ہی اگر مالیت اور چلن دونوں یکساں ہوں جب بھی عقد صحیح رہے گا مگر اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جو چاہے ادا کرے[۲]۔ اور ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں ہونے کی مثال ثنائی اور ثلاثی سے دی

(بقیہ حاشیہ) بوقتِ ادا پیسے ایک روپے کے دے۔ تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار ہے ہے کہ لے یا نہ لے۔ اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا بخلاف نوٹ کے یہ فرق باطل ہے۔

(فٹ) اُن پر بارھواں ردّ:۔

اور یہ مدعا انہوں نے کہاں سے نکالا اور کون اس کا قائل ہے۔ اور عنقریب چند سطر کے بعد اس امر میں جو حق ہے اس کا بیان آتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ ۱۲ منہ

(فٹ) اُن پر تیرھواں ردّ اور اس کا بیان کہ مختلف نقد جب مالیت اور چلن میں برابر ہوں تو اختیار ہے جس سے چاہے قیمت ادا کرے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی جنس یا قدر مختلف

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

---

[۱] اور اب کہ ایک نئی ریزگاری چل گئی جسے اکنی کہتے ہیں تو اٹھنی کے دام چھتیس طرح ادا ہو سکتے ہیں اور سب برابر ہیں جیساکہ پوشیدہ نہیں۔ ۱۲ منہ

[۲] ابن عابدین شامی ردالمحتار ۴ / ۲۹ (ط دار الکتب العربیہ الکبری مصر)

اور شارحوں نے اس پر اعتراض کیا۔ کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے۔ اور بحر الرائق میں جواب دیا کہ ثنائی سے وہ مراد ہے جس کے دو ایک روپے کے برابر ہوں۔ اور ثلاثی وہ جس میں تین ایک روپے کے برابر ہوں۔ میں کہتا ہوں اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے کوئی چیز ایک روپے کو خریدی۔ تو چاہے ایک روپیہ پورا دے چاہے دو اٹھنیاں۔ چاہے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت اور رواج میں برابر ہوں۔ اسی طرح اشرفی ہمارے زمانے میں پوری اور دو نصف اور چار پاولی ہوتی ہے اور سب کی مالیت اور چلن یکساں ہیں اور اسی سے معلوم ہو گیا قرشوں کے عوض خریدنے کا حکم جو ہمارے زمانے میں شائع ہے کہ قرش اصل میں ایک چاندی کا سکہ ہے جس کی قیمت چالیس قطعہ مصری ہوتی ہے جس کو مصر میں نصف کہتے ہیں پھر قسم قسم کے سکے سب کی قیمت قرشوں سے لگائی جاتی ہے۔ تو ان میں کوئی دس قرش کا۔ کوئی کم کا۔ کوئی زیادہ کا۔ تو جب کوئی چیز سَو قرش کو خریدی۔ تو عادت یہ ہے کہ وہ جو چاہے دے۔ خواہ قرش ہی دے۔ یا اور اس کے جو مالیت میں اُس کے برابر ہوں۔ ریال یا گِنی۔ اور یہ کوئی نہیں سمجھتا ہے کہ خریداری خاص اس ٹکڑے پر واقع ہوئی ہے جس کا نام قرش ہے۔ بلکہ قرش یا اور سکوں سے جو مالیت میں مختلف ہیں اور چلن میں یکساں ہیں اتنا کہ اس کے مالیت کے برابر ہو جائیں۔ اور یہ اعتراض وارد نہ ہو گا کہ مالیت مختلف ہونا اور چلن میں یکساں ہونا یہی تو فساد کی صورت ہے اس لئے کہ یہاں ثمن کی مالیت میں اختلاف نہ پڑا۔ جب کہ اس کا اندازہ قرشوں سے کیا گیا۔ ہاں اختلاف جب ہوتا کہ اُن سے اندازہ نہ کرتے جیسے کہ سو اشرفیوں کو خریدے اور وہاں اشرفیاں کئی قسم کی ہوں چلن میں سب ایک سی اور مالیت میں مختلف۔ اور جب قرشوں سے اندازہ کر لیا یہ ایسا ہو گیا گویا مالیت اور چلن سب برابر ہیں۔ اور اوپر گذر چکا کہ مشتری کو اختیار ہو گا کہ ان میں سے جو چاہے دے۔ بحر الرائق میں فرمایا۔ اگر بائع اُن میں سے ایک سکہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا دے اس لئے کہ جو مشتری دے رہا ہے اس کے لینے سے

(بقیہ حاشیہ) ہونے پر اُن میں باہم کمی بیشی پر بدلنا منع ہو ؟

بائع کا انکار بیجا ہٹ ہے جبکہ مالیت میں تفاوت نہیں۔ انتہیٰ۔

اور یہ سب ظاہر روشن باتیں ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر اور کیا برابر جاننا اور فرق نہ کرنا ہے کہ خریدے تو قرشوں کو پھر اسے اختیار دیا جائے کہ چاہے قرش دے خواہ ریال چاہے سونے کا پورا سکہ یا اس کی ریز گاری اور بائع نہ مانے تو بے جا ہٹ ٹھہرے۔ بایں ہمہ کوئی عاقل یہ وہم نہیں کر سکتا کہ قرش اور ریال اور اشرفی اور ریز گاری سب کے سب ایک جنس ہو نے۔ ان میں ایک سے دوسرے کو بیچیں تو کمی بیشی جائز نہ ہو۔ یا اُن میں ایکدوسرے میں ایسا غرق ہے کہ گویا بعینہٖ بلافرق دونوں ایک ہیں۔ تو کمی بیشی اگر سُود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب اس کے حکم میں ہو کر حرام ہو جائے۔ حالانکہ تمام علمأ بالاجماع تصریح فرمارہے ہیں کہ اختلافِ جنس کے وقت کمی بیشی جائز ہے بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ جب دونوعیں بدلیں تو جیسے چاہو بیچو۔ اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق ایک روپے کو ایک اشرفی بیچنے میں نہ سُود ہے نہ سُود کا شُبہ اوپر اس طرح بیان کی جس سے بڑھ کر کوئی بیان نہیں۔ تو جب یہ حکم قرشوں اور ریال اور اشرفی اور ریز گاری میں ہوا۔ حالانکہ وہ سب کے سب خلقۃً ثمن ہیں۔ اور اُن سب میں ربا کی دو علتوں میں سے ایک علت یعنی وزن موجود ہے تو روپوں کے بدلے نوٹ پر تیرا کیا گمان ہے۔ حالانکہ نوٹ تو صرف ثمن اصطلاحی ہے اور اس کی مالیت کا اندازہ ایک اصطلاح ہے جس کی پابندی بائع ومشتری پر لازم نہیں اور اس میں ربا کی دونوں علتوں میں سے کوئی نہیں۔ نہ جنس نہ قدر۔ تو یہاں ناجوازی کا حکم تین ہی شخصوں میں سے کوئی کر سکے گا۔ جن پر سے قلمِ شرع اٹھا لیا گیا ہے۔ بچّہ اور سوتا اور دیوانہ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں۔ اس باب میں یہی تحقیق جواب ہے۔ اور امید کرتا ہوں کے دولھا کے بعد عطر نہیں۔

(ف) مولوی لکھنوی پر چودھواں ردّ اور اس کا بیان کہ جو بات انہوں نے اختیار کی اسی میں سود کھانا اور حلال کرنا لازم آتا ہے

ولیکن اے شخص! اگر تو کچھ نہ مانے سوا اپنی اسی بات کے نوٹ روپوں میں ایسا غرق ہے کہ گویا وہ روپے کا عین ہے۔ تو اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہو گیا یا حکماً بایں معنی کہ روپوں سے نوٹ کی بیع میں شرع نے وہی حکم جاری فرمایا جو روپوں سے روپوں کی بیع میں ہے۔ جیسا کہ تو نے کہا تھا۔ کہ گویا وہ دس روپے ہیں کہ بارہ کو بیچے گئے۔ یا حقیقۃً اور حکماً کسی طرح نہیں۔ تیسری تقدیر پر یہ کیا بے منشاء و معنی لفاظیاں ہیں۔ اور پہلی دونوں صورتوں میں ربا خود تجھ پر پلٹے گا۔ جبکہ تو دس کا نوٹ دس کو بیچے۔ اس لئے کہ روپوں سے روپے کی بیع میں شرع کا حکم یہ نہ تھا کہ مالیت میں برابر ہوں۔ تمام امت کا اجماع ہے کہ یہاں کھرا کھوٹا برابر ہے۔ بلکہ حکم تو یہی تھا کہ وزن میں برابری ہو۔ تو تجھ پر واجب ہے کہ ایک پلّہ میں نوٹ رکھے۔ اور دوسرے پلّہ میں روپے کی ریزگاری۔ یا اور کوئی چاندی بس اتنے ہی کو اسے بیچے جتنی چاندی وزن میں نوٹ کے برابر ہو۔ اور یہ دوانی یا چوانی بھر سے زائد نہ ہوگی۔ اور اگر اس پر کچھ زیادہ لے۔ تو تو نے سُود کھایا۔ اور سُود حلال کیا۔

(ف) اُن پر پندرھواں ردّ

اور اگر تو یہ زعم کرے کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو حکم نوٹ کی طرف آیا۔ وہ یہ ہے کہ مالیت میں برابر کرلو۔ تو یہ تیرا بڑا جہل ہے جو ٹھٹھے بازی کے مثل ہے اور ڈھیلے پن سے لچک پچک ہو رہا ہے کہ مالیت میں برابر کرنا خود روپوں کا حکم نہ تھا۔ تو روپوں سے ان کے مشابہ نوٹ کی طرف وہ حکم کیونکر سرایت کریگا جو خود اُن میں نہیں۔ علاوہ بریں اگر نوٹ روپوں کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً متحد ہو بھی جائے تو سونے کے ساتھ متحد نہ ہوگا۔ کہ دو متباین نوعیں متحد نہیں ہوسکتیں۔ تو اس تقدیر پر اگر

دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفی کو بیچا جائے۔ تو وہ حرج لازم نہ آئے گا جو بارہ روپے سے بیچنے میں تھا۔ کہ یہاں جنس حقیقۃً ایک ہے نہ حکماً۔ تو اب تیسرے فتوے کا انجام یہ ٹھہرے گا کہ دس روپے کا نوٹ بارہ کو بیچنا تو حرام ہے اس لئے کہ اس نے بلا معاوضہ ایک زیادتی حاصل کی۔ اور اگر بارہ اشرفی کو بیچے تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ اُس نے کوئی ایسی زیادتی حاصل نہ کی جس کا اعتبار کیا جائے۔ تو سبحان اللہ اس فتویٰ کا کیا کہنا کس قدر اس کی نظر دقیق ہے۔ اور ربا کے حرام کرنے میں شرع شریف کا جو مقصد تھا یعنی لوگوں کے مال محفوظ رکھنا کس درجہ اُس نے اسکی رعایت کی ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ خلاصہ یہ کہ اس منع کرنے والے کا کلام نہ کسی اصل کی طرف پلٹتا ہے نہ دلیل کی جانب۔ وہ تو ایک بات ہے کہ وہی اس کا قائل ہے اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہ اتاری، سب خوبیاں خدا کو اور اسی پر بھروسا ہے اور اُسی سے مدد کی طلب۔

مسئلہ ۱۲: دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کے وعدہ پر قسط بندی سے بیچنا کہ ہر مہینہ ایک روپیہ دے جائز ہے اور سُود نہیں

اقول۔ ہاں جائز ہے۔ جبکہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں۔ نہ قرض کا۔ اس لئے کہ بیچنا جائز اور کمی بیشی جائز اور مدت معین پر اُدھار جائز۔ جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کر آئے۔ اور قسط بندی بھی ایک قسم کی مدت ہی معین کرنا ہے۔ ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کر لی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دوانی اوپر دس۔ اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی سے یا بلا قسط واپس دے۔ تو یہ ضرور حرام اور سُود ہے۔ اس واسطے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا۔ اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سُود ہے۔ یہ حدیث حارث بن اسامہ نے امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے[۱] روایت کی بخلاف اس کے جب قرض دیا۔

---

[۱] جلال الدین سیوطی جامع صغیر مع فیض القدیر ۵/۲۸ (دار المعرفۃ بیروت)

(ف) قرض ادا کرتے وقت زیادہ دینا

اور کچھ زیادہ شرط نہ کیا۔ اور نہ ان کے اگلے عمل درآمد سے زیادہ لینا معروف تھا (کیونکہ جو معروف ہے وہ تو مثل شرط کے ہے) پھر قرض لینے والے نے قرض ادا کیا اور اپنی طرف سے احساناً کچھ ایسا زیادہ دیا جو الگ ممتاز ہو (یہ اس لئے کہ قابلِ تقسیم شے میں ہبہ مشاع نہ ہو جائے) تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں، بلکہ اس قبیل سے ہے کہ احسان کا بدلہ کیا ہے سوا احسان کے۔ اور بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو ایک پاجامہ خریدا (اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی تھی) تو تولنے والے سے فرمایا۔ کہ تول اور زیادہ دے[1]

(ف) قرض لینے والے کا قرض خواہ سے وہ قرض خرید لینا

یونہی اگر نوٹ قرض دیا تھا اور قرض خواہ نے اس سے تقاضا کیا۔ اس کے پاس ویسا نوٹ نہ تھا۔ یا اُس نے نوٹ دینا نہ چاہا۔ عوض میں روپے دینا چاہے دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپے پر صلح ہوئی اور اسی جلسے میں روپے ادا کر دیئے (تاکہ عاقدین یوں جدا نہ ہوں کہ دونوں طرف دین ہو) تو یہ بھی جائز ہے۔ پھر اگر وہ نوٹ جو اس نے لیا تھا۔ اس کے پاس نہ رہا۔ جب تو بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر نوٹ اس کے پاس موجود ہے مگر خاص اس نوٹ کو روپوں سے نہ خریدا۔ بلکہ ذمہ پر جو قرض تھا اسے خریدا۔ تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے ہاں اگر وہی نوٹ کہ قرض لیا تھا موجود ہے اور بعینہ اس کو بارہ روپے یا دس یا جتنے سے چاہے خریدے تو یہ طرفین کے نزدیک باطل ہے۔ اور امام ابو یوسف اسے جائز کہتے ہیں۔ باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے یہ نوٹ قرض لیا تھا۔ تو قرض لیتے ہی اُس کا مالک ہو گیا۔ تو خود ہی اپنی مملوک چیز کو دوسرے سے

---

[1] ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی سنن نسائی ۲/۲۲۳ (ط نور محمد اصح المطابع کراچی)

کیونکر خریدے گا۔ وہ چیز کروری میں ہے۔ جب اس کا کسی پر غلہ یا پیسے آتے ہوں۔ مدیون نے وہ دین اس سے روپوں کو خرید لیا۔ اور روپوں پر قبضہ ہونے سے پہلے دونوں جدا ہو گئے تو بیع باطل ہو گئی۔ اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن کا یاد رکھنا لازم ہے۔ انتہیٰ اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے۔ قرض دینے والے کا جو غلّہ اس پر آتا تھا وہ اس نے اس سے سو اشرفی کو خرید لیا جائز ہے کہ یہ دَین اس پر نہ عقد صرف سے تھا نہ عقد سلم سے۔ پھر اگر وہ غلّہ خریداری کے وقت خرچ ہو چکا تھا۔ جب تو سب کے نزدیک جواز ہے۔ اس لئے کہ وہ خرچ کر دینے سے بالاتفاق اس کا مالک ہو گیا۔ اور اس کے ذمّہ پر اتنا غلّہ واجب رہا۔ اور اگر غلّہ موجود ہے تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک اب بھی جائز ہے اور امام ابویوسف کے قول پر چاہیئے کہ جائز نہ ہو۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک جب تک خرچ کر لے اُس کا مالک نہ ہوگا۔ تو اس غلہ کا مثل اُس کے ذمہ پر واجب نہیں۔ اب جو یہ کہا کہ وہ غلّہ جو میرے ذمّہ ہے میں نے خریدا۔ تو معدوم چیز خریدی۔ لہٰذا ناجائز ہوا۔ انتہیٰ۔ نیز ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے کسی سے ایک پیمانہ غلّہ قرض لے کر قبضہ کر لیا۔ پھر بعینہٖ وہی غلّہ قرض دینے والے سے خریدا۔ امام اعظم اور امام محمد کے قول پر جائز نہیں کہ وہ تو قبضہ کرتے ہی اس غلّہ کا خود مالک ہو گیا۔ تو اب اپنی ملک دوسرے سے کیسے خرید سکتا ہے۔ ہاں امام ابویوسف کے قول پر وہ غلّہ ابھی قرض دینے والے کی ملک پر باقی ہے تو یوں ہوگا کہ پرائی ملک اس سے خریدی تو صحیح ہوگی۔ انتہیٰ۔[1]

(ف) سُود سے بچنے کے لئے حیلہ کرنا

رہا دفعِ ربا کے لئے حیلہ کرنا۔ اس میں ہم تجھے وہ کچھ سُنا چکے۔ جو کافی و شافی ہے۔ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گذر چکا کہ عینہ جائز ہے اور اس کا کرنے والا ثواب پائے گا۔ فرمایا اس میں ثواب اس وجہ سے ہے کہ حرام سے بھاگنا ہے۔ انتہیٰ۔ اور

---

[1] ردالمحتار ۴/ ۱۹۳ (ط مصطفیٰ البابی مصر)

اُن کا یہ ارشاد بھی گذرا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔ اور فتاویٰ قاضی خان کا قول گذرا کہ اس کا مثل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے اس کا حکم دیا۔ انتہیٰ۔ تو اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد اور کون ہے۔

اور بحر الرائق میں قنیہ سے ہے کہ وہ بیعیں جو لوگ ربا سے بچنے کے لئے کرتے ہیں اُن میں کچھ حرج نہیں۔ پھر ایک اور عالم کے نام کی رمز لکھی کہ انہوں نے کہا مکروہ ہے۔ امام بقالی نے ان کی کراہت امام محمد سے روایت کی۔ اور امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک اُن میں کچھ حرج نہیں۔ امام شمس الائمہ زرنجری نے فرمایا۔ امام محمد کا خلاف اس صورت میں ہے جبکہ قرض دے کر پھر ایسی بیع کرے۔ اور اگر بیع کردی پھر روپے دیئے تو بالاتفاق کچھ حرج نہیں[۱] انتہیٰ اور اسی طرح امام شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اس کے جواز پر اتفاق نقل فرمایا جبکہ قرض میں بیع کی شرط نہ لگائی ہو۔ تو جبکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی تعلیم ثابت اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کا کرنا۔ اور اس کی تعریف ثابت اور ہمارے اماموں کا اس کے جواز پر اجماع قائم تو اب شک کی کونسی جگہ باقی رہی۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔

اقول۔ پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ بیع اور قرض جمع ہوں۔ یُوں کہ اسے کچھ روپے قرض دے۔ اور تھوڑی سی چیز زیادہ قیمت کو اس کے ہاتھ بیچے۔ تو حاجت قرض کے سبب اُسے قبول کرے گا۔ تو اُس صورت میں اگر قرض پہلے ہے۔ تو بعض نے بیع کو مکروہ کہا۔ اس لئے کہ یہ وہ قرض ہوا جس نے ایک منفعت کھینچی۔ اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک بیع ہے جو قرض کا نفع لائی جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے افادہ فرمایا۔ اور اسی پر فتویٰ دیا جیسا کہ ردالمحتار[۲] میں ہے۔ اور وہ

---

[۱] علامہ زین الدین ابن نجیم ۱۲۶/۶ (ط سعید کمپنی کراچی)

[۲] ردالمحتار ۴/۱۹۶

مسئلہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں یعنی نوٹ یہ تو خالص بیع ہے۔ اس میں قرض اصلاً نہیں نہ ابتداء میں نہ بعد کو۔ تو اس کا بالاتفاق بلاخوف و بلانزاع جائز ہو، زیادہ لائق ومناسب ہے۔

(ف) قرآن وحدیث سے ایسے حیلوں کے جائز ہونے کی دلیلیں

اور اگر تو مسئلہ حیلہ میں زیادت چاہے تو یہ ہے ہمارا رب عزّوجلّ تبارک وتعالیٰ اپنے بندہ ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہوا۔ (اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لے۔ اُس سے مار۔ اور قسم نہ توڑ[۱]) اور یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ انہوں نے ربا سے بچنے کا حیلہ اور ایسا طریقہ کہ مقصود حاصل ہو جائے اور حرام سے محافظت رہے۔ تعلیم فرمایا۔ اسے بخاری ومسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس خرمائے برنی لائے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لئے؟ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے ہم تے اس کے دو صاع کے بدلے ایک ایک صاع خریدا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! اُف خاص ربا ہے خاص ربا ہے۔ ایسا نہ کر۔ مگر جب ان کو خریدنا چاہو تو اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچ کر اس شے کے بدلے اُن کو خریدو۔[۲]

نیز بخاری ومسلم نے ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر صوبہ کر کے بھیجا۔ وہ خدمتِ اقدس میں خرمائے جنیب لیکر حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے سب چھوہارے ایسے ہی ہیں؟ عرض کی نہیں خدا کی قسم یارسول اللہ! ہم اُن میں

۱ـ القرآن ۳۸/۴۴

۲ـ مسلم ۲/۲۶ (اصح المطابع کراچی)

کا ایک صاع دو صاع کو۔ دو صاع تین صاع کو لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

(ایسا نہ کرو۔ اپنے چھوہارے روپوں سے بیچ کر روپوں سے یہ چھوہارے خرید لو[۱])

اقول ۔ وہ جس نے اس میں کراہت سمجھی جیسا امام محمدؒ ان کا سمجھنا تو صرف اس بنا پر تھا جیسا کہ فتح القدیر و ایضاح ومحیط سے گذرا۔ کہ لوگ اس کے خوگیر ہو کر ناجائز بات میں نہ پڑیں ۔ اور ہمارے زمانہ میں معاملہ اُلٹا ہو گیا۔ اور ہندوستان میں سود علانیہ شائع ہو گیا کہ لوگ اس سے شرماتے نہیں۔ گویا وہ ان کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے نہ عار۔ تو جو اُن کو اس عظیم بلا اور سخت کبیرہ سے ان جائز حیلوں میں کسی طرف اُتار لائے۔ جیسے دس کا نوٹ قسط بندی کر کے بارہ کو بیچنا اور اس کے سوا اور حیلے جو امام فقیہ النفس قاضی خاں سے گذرے ۔ تو کچھ شبہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے ۔ اور دین نام نہیں مگر ہر مسلمان کی خیر خواہی کا ۔ اور لوگ اگرچہ گناہ علانیہ کر رہے ہیں۔ مگر اسلام ابھی باقی ہے و للہ الحمد ۔ تو جب وہ ایسی بات سُنیں جس سے اپنی مراد پائیں اور حرام سے بچیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں ۔ کہ ان کو شریعت اور اسلام سے کچھ عداوت تو نہیں۔ اور بیشک مشائخ مثل امام محمد بن سلمہ وغیرہ نے تاجروں سے فرمایا۔ وہ عینہ جس کا ذکر حدیث شریف میں ۔ ہے تمہاری ان بیعوں سے بہتر ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فرمایا۔ یہ ٹھیک بات ہے اس لئے کہ بلا شبہ بیع فاسد غضب حرام کے حکم میں ہے۔ تو کہاں وہ اور کہاں بیع عینہ کہ صحیح ہے اور اس کی کراہت میں بھی اختلاف ہے[۲] انتہیٰ ۔

رہا زعم کرنے والے کا یہ زعم کہ اگر یہ منع نہ ہو تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے۔ حالانکہ زیادتی دونوں میں حاصل ہوئی ۔

---

[۱] بخاری ۱/۲۹۳ - مسلم ۲/۲۶

[۲] امام ابن ہمام فتح القدیر ۵/۴۲۵ (مطبع الکبریٰ مصر)

اقول ۔ یہ وہ اعتراض ہے کہ کفار نے کیا تھا اور خود رب العزت تبارک وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں اس کا جواب دیا۔

(کافر بولے بیع بھی تو ایسی ہی ہے جیسے ربا۔ اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سُود)

کیا معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع وہیں حلال کیا ہے جہاں دو مختلف چیزوں کی بیع ہو۔ تو اگر یہ حرام ہو تو خرید و فروخت کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

وہاب جل جلالہٗ کی توفیق سے جواب تمام ہوا۔ اور اللہ ہی کے لئے حمد ہے آگے اور پیچھے اور نہان وعیاں اور میں نے اس کا نام

كِفْلُ الْفَقِيهِ الْفَاهِمِ فِی اَحْكَامِ قِرْطَاسِ ۱۳۲۴ھ الدَّرَاهِمِ

رکھا۔

تاکہ نام سال تصنیف کی علامت ہو۔ اور بندۂ ضعیف نے شنبہ کے دن لکھنا شروع کیا تھا۔ پھر اتوار کے دن بخار عود کر آیا۔ تو پیر کے دن پھر دن چڑھے مہینے اسے تمام کیا۔ محرم شریف کی تیئیس ۲۳ تاریخ ۱۳۲۴ھ۔

اور یہ تصنیف اللہ کے حرمت والے شہر (مکہ معظمہ) میں ہوئی۔ ان کی خواہش سے جو فاضل کامل پاکیزہ مصلائے حنفی کے امام ہیں مولانا شیخ عبد اللہ اُن کے صاحبزادہ جو خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں کے سردار ہیں یعنی عالم باعمل فاضل کامل۔ زاہد۔ متورع۔ متقی۔ پاکیزہ۔ مجمع فضائل ومنبع فواضل حضرت شیخ احمد ابی الخیر اللہ تعالیٰ ہر ضرر سے ان دونوں کا نگہبان ہو۔ اور ہر بھلائی سے ان کو حصہ دے اور ہمارے گناہ بخشے اور ہمارے عیب چھپائے اور ہمارے بوجھ ہلکے کرے۔ اور ہماری آرزوئیں پوری کرے۔ اور ہمیں بار بار اس عزت والے گھر اور مزار نبی رؤف رحیم علیہ وعلیٰ آلہ افضلُ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف اپنے

---

۱ قرآن : بقرہ آیت ۲۷۵

قبول و رضا کے ساتھ عود کرنا نصیب فرمائے۔ یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ایمان کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع میں دفن ہونا اور رفعت والے شفیع کی شفاعت پانا نصیب کرے۔ اللہ تعالیٰ ان پر درود و سلام بھیجے اور ان کی آل و اصحاب پر۔ اور اپنی برکت و تکریم اُن پر اتارے۔

آمین

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا بریلوی

عفی عنہ بمحمد ن المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمدی سُنّی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ عبد المصطفیٰ احمد رضا خاں

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

عُفِیَ عَنْہُ بِمُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی علیہ وَسَلَّمْ

محمدی سُنّی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ

عبد المصطفیٰ احمد رضا خاں

فتویٰ حامئ سنّت ماحی بدعت جناب مولانا مولوی شاہ محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ جو آج کل رائج ہیں ان کا خرید و فروخت زیادہ و کم پر جائز ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا

الجواب ھو الملھم للصواب:

خرید و فروخت نوٹ مذکور کی زیادہ یا کم پر جائز ہے اس واسطے کہ امام نے اس کو مال قرار دیا ہے اور جو شئے کہ اصطلاحِ قوم میں مال قرار دی جائے خواہ وہ فی اصلہ اُس میں ثمنیت اور مالیت ثابت نہ ہو لیکن فقط قوم کے قرار دینے سے ثمنیت اور مالیت اُس میں ثابت ہو جاتی ہے اور کم اور بیش پر اس کی خرید و فروخت جائز ہو جاتی ہے۔

قال فی الھدایہ ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما عند ابی حنیفۃ وابی یوسف وقال محمد لا یجوز لان الثمنیۃ تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحھما واذا بقیت اثمانا لا تتعین فصار کما اذا کانا بغیر اعیانھما وکبیع الدرھم بالدرھمین ولھما ان الثمنیۃ فی حقھما تثبت باصطلاحھما اذ لا ولایۃ للغیر علیھما فتبطل باصطلاحھما واذا بطلت الثمنیۃ تتعین بالتعین[1] انتھی

(ہدایہ میں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بائع اور مشتری کے متعین کرنے سے ایک سکے کی دو سکوں کے ساتھ بیع جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ جو ثمنیت تمام فقہاء کی اصطلاح سے ثابت وہ بائع اور مشتری کی اصطلاح سے باطل نہیں ہو سکتی۔ جب (سکوں کا) ثمن ہونا ثابت ہو گیا تو متعین نہیں ہوں گے۔ پس بیع اس طرح ہو گئی جیسے دو غیر متعین سکوں کی اور جیسے ایک درہم کی دو درہموں کے ساتھ ہوتی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بائع اور مشتری کے حق میں اُن کی اپنی

[1] ہدایہ: جلد ۲ / ۸۳ (طبع یوسفی لکھنؤ)

اصطلاح کے ساتھ ثمنیت ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ ان (بائع و مشتری) پر غیر کو کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔ اس لئے ان دونوں کی اصطلاح سے ثمنیت باطل ہو جائے گی۔ اور جب ثمنیت باطل ہو گئی تو معین کرنے سے (سکے کی) کی تعیین ہو جائے گی۔

پس جب کہ نوٹ مذکور میں کہ کاغذ ہے مالیت ثابت ہوئی تو اس کا بھی خرید و فروخت ساتھ کمی اور بیشی کے جائز ہے۔

فی رد المحتار فی باب العینۃ حتی لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[1]۔ انتہیٰ واللہ اعلم وعلمہ اتم:

(رد المحتار کے باب عینہ میں ہے۔ اگر کسی نے ہزار روپے کے بدلے کاغذ بیچا تو بلا کراہت جائز ہے)

العبد المجیب محمد ریاست علی عفی عنہ

محمد ریاست علی خاں

الجواب صواب
محمد ارشاد حسین احمدی

البتہ بیع و شراء مذکور جائز ہے۔ فقط
العبد
محمد عبد القادر عفی عنہ

الجواب صحیح
کتبہ
حامد حسین عفی عنہ

الجواب صواب
محمد حسن

الجواب ھو الجواب
محمد نظر علی

بلا شبہ اصطلاح میں قرار دیا جاتا ہے اور بیع و شراء مذکور جائز ہے فقط۔
العبد
ابو القاسم محمد مزمل عفی عنہ

حکم کرنا مجیب کا نسبت صحت بیع مذکور کے صحیح اور درست ہے۔
العبد
محمد عنایت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح
محمد اعجاز حسین

الجواب صواب
محمد عبد الجلیل بن محمد عبد الحق خاں

---

[1] رد المحتار: مطلب بیع العینہ کتاب الکفالہ (مصطفیٰ البابی مصر) ۳۱۰/۴

كَاسِرُ السَّفِيْهِ الْوَاهِمِ فِيْ اِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ

ملقب بہ لقبِ تاریخی

۱۳۲۹ھ

اَلذَّيْلُ الْمَنُوْطُ لِرِسَالَةِ النُّوْطِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

الحمد للہ رسالہ مبارکہ کِفْلُ الْفَقِیْہِ الْفَاھِمِ فِیْ اَحْکَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِمِ [۱۳۲۴ھ] نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل ایسے بیان نفیس سے روشن کئے کہ اصلاً کسی مسئلہ میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی۔ یہ رسالہ مکہ معظمہ میں وہیں کے دو علماء کرام کے استفتاء پر نہایت قلیل مدت میں تصنیف ہوا اس وقت تک رقم سے کم یا زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا۔

ان کا فتویٰ اگرچہ وہاں موجود نہ تھا مگر اس کا مضمون ذہن میں تھا بفضلہ تعالےٰ گیارھویں مسئلہ میں اس کا وافی وشافی رد گزرا کہ مصنّف کو کافی اور اوہام کا نافی ہے وللہ الحمد۔ یہ معلوم بھی نہ تھا کہ دیوبندیوں کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر سرے سے مال سے خارج اور کم وبیش درکنار برابر کو بھی اس کی خرید وفروخت ناجائز کر چکے ہیں۔ تاہم بالہامِ الٰہی شروع کتاب میں اس پر بقدر کفایت بحث ہوئی جس نے حق کے چہرے سے نقاب اٹھائی اور سفاہت سفہا گھر تک پہنچائی والحمد للہ۔ حاجت نہ تھی کہ اب اُس وہم یا اس سفاہت کی طرف مستقل توجہ ہو لیکن نفع برادرانِ دینی کے لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں تحریروں کو ذکر کروں اور ان کے فقرے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں رد مذکور ہوا ہے اس کا پتہ بتادوں اور باقتضائے توجہ مستقل جو بعض مباحث تازہ خیال

میں آئیں اضافہ کروں اور اس کا تاریخی نام

کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم

رکھوں۔ سفاہت سے اشارہ تحریر جناب گنگوہی صاحب کی طرف ہے اور وہم سے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب کی طرف۔ اوّل کے لحاظ سے لفظ ابدال بکسرِ ہمزہ مصدر پڑھنا چاہیئے کہ ان کو نفس مبادلہ و بیع نوٹ میں عروضِ سفاہت ہے اور دوم کے اعتبار سے بفتح ہمزہ صیغۂ جمع کہ یہ نوٹ کا صرف ایک بدل یعنی جو رقم کے برابر ہو۔ جائز رکھتے ہیں۔ اور در بارہ کم و بیش وہم ممانعت ہے۔ ہذا و باللہ التوفیق۔

ردِّ سفاہت

جناب گنگوہی صاحب کی جلد دوم فتاوی صہ ۱۶۹ میں ہے نوٹ وثیقہ اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے اس واسطے کہ نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں۔ اور اگر گم ہو جائے۔ تو بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں۔ اگر نوٹ مبیع ہوتا۔ تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے۔ کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جائے۔ تو بائع سے بدل لے سکیں۔ پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائے گا۔ کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے۔ فلوس مبیع ہے۔ اور نوٹ نقدیں ان میں زکوٰۃ نہیں۔ اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں۔ اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوٰۃ ہو گی۔ اکثر لوگوں کو شبہ ہو رہا ہے۔ کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوٰۃ نہیں دیتے۔ کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں۔ سخت غلطی ہے۔ فقط۔ اور جلد اوّل صہ ۷۵ و ۷۶ میں ہے۔ نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں۔ مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے۔ اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے۔ مگر کم زیادہ پر بیع کرنا سیانا جائز ہے۔ یہ تفصیل اس کی ہے۔ فقط۔ جناب گنگوہی صاحب نے اول نوٹ کو تمسک بنایا۔ اور آخر میں صرف اس جرم پر کہ وہ کاغذ ہے۔ اور کاغذ بھلا کہیں بکنے کی چیز ہے۔ وہ تو دریا کے پانی نہیں نہیں بلکہ ہوا کی طرح ہے۔ جس کی بیع ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی خرید و فروخت کو مطلقاً ناجا اگرچہ برابر کو ہے۔ مگر خود ہی اسی جلد دوم کے صہ ۱۷۳ پر فرمانے والے تھے

کی آسان ترکیب نوٹ کو رجسٹری یا بیمہ کرادینا ہے۔ اب گھبرائے کہ نوٹ کی خرید و فروخت تو میں حرام کر چکا ہوں۔ نوٹ آئیں گے کس گھر سے؟ کہ رجسٹری کرا کر مرسل ہوں۔ ناچار ادھر اُدھر ٹٹولا۔ حوالہ پر ہاتھ پڑا۔ لہذا اس حیلہ حوالہ کی گڑھ دی۔ کہ بحیلہ عقد حوالہ جائز ہے۔ یعنی زید نے عمرو سے پانچ روپے کا نوٹ مول لے کر پانچ روپے اسے دیئے۔ وہ اگرچہ خریدم و فروختم کہہ رہے ہیں۔ مگر زبردستی ان کے سر یہ منڈھو۔ کہ نہ بیچا نہ مول لیا نہ قیمت دی۔ بلکہ زید نے عمرو کو پانچ روپے قرض دیئے۔ اور عمرو جو گورنمنٹ خزانے سے یہ نوٹ مول لے چکا تھا۔ وہ بھی قرض کا لین دین تھا۔ ان کے نزدیک گورنمنٹ پر ایسا وقت پڑا تھا۔ کہ وہ عمرو سے پانچ روپے قرض لینے بیٹھی تھی۔ اور اس کی سند کے لئے یہ نوٹ کا تمسک اُس کے ہاتھ میں تھمادیا تھا تاکہ سند باشد وعند الحاجۃ بکار آید۔ اب جو عمرو سیٹھ پر وقت پڑا۔ اس نے زید سے پانچ روپے اُدھار لئے اور وہی تمسک اب اسے پکڑا دیا۔ کہ گورنمنٹ پہ ہمارے پانچ روپے اگلے وقتوں کے قرض آتے ہیں۔ جن کو برسیں گزریں اب تک گورنمنٹ نے ادا نہ کئے۔ ہم نے اپنے اوپر کے گورنمنٹ پر اتار دیئے۔ تم اس سے وصول کر لینا۔

یہ حضرت کی اس ٹٹول کا حاصل ہے جسے ہر عاقل جانتا ہے کہ محض سفاہت و باطل ہے۔ اس کا رد کافی رسالہ کے صفحہ ۱۷، ۴۹، ۶۰، ۱۸۰، ۶۵، ۶ میں گزرا۔ پھر بھی اس کی بعض جہالتوں کا اظہار خالی از فائدہ نہیں۔ کہ اس ضمن میں ناظر کو بہت سے مسائل و فوائد پر اطلاع ہو گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ فاقول وباللہ التوفیق۔

اوّل تو یہی سرے سے سخت حماقت ہے کہ جہان بھر کے عاقدین جس عقد کا قصد کریں زبردستی اُس سے تڑا کر وہ عقد اُن کے سر چپٹو جو اُن کے خواب و خیال میں نہیں۔ گنگوہ کے کورده سے اٹھ کر تمام دنیا کے جس شہر قصبے میں چاہو جاؤ۔ اور تمام جہان سے پوچھو کہ نوٹ کے لین دین میں تمہیں خرید و فروخت مقصود ہوتی ہے۔ بیچا اور مول لیا کہتے ہو۔ یا بائع اپنی ملک سے نوٹ کا خارج ہو کر مشتری کی ملک میں داخل ہونا اور مشتری اس کے عوض روپے دے کر نوٹ کا اپنی ملک میں آنا سمجھتا ہے۔ یا یہ کہ نوٹ دینے والا اس سے قرض مانگتا ہے۔ اور قرض کی سند میں نوٹ بجائے تمسک دیتا ہے۔ ہدایہ میں ہے:-

العبرۃ فی العقود للمعانی[1] (خرید وفروخت میں معانی کا اعتبار کیا جاتا ہے) مگر یہ عجب عقد ہے کہ لفظ بھی بیچنے خریدنے کے قصد بھی بیچنے خریدنے کا ہی مقصود بھی مراد بھی مفہوم بھی مفاد اور خواہی نخواہی جہان بھر کو پاگل بنا کر کہدیجئے۔ کہ اگرچہ نہ تم کہتے ہو۔ نہ قصد رکھتے ہو۔ مگر تمہاری مراد ہے کچھ اور۔ اور اگر ایسی تصحیح ہو۔ تو دنیا میں فاسد سا فاسد عقد ٹھیک ہوجائے گا۔ مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک روپیہ میں سیر بھر چاندی کو بیچ کیا۔ تو اگرچہ انہوں نے کہا یہی کہ خریدا اور ان کا قصد بھی یہی تھا۔ مگر یوں ٹھہرائیے کہ وہ کچھ کہیں سمجھیں۔ مگر یہ بیع نہ تھی۔ بلکہ زید نے ایک روپیہ عمرو کو ہبہ کیا۔ عمرو نے اس کی جزاء میں سیر بھر چاندی اس کو ہبہ کردی۔ اس میں کیا حرج ہوا۔ لہذا سود حلال طیب ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ہدیہ میں زیادہ عوض دینا منع نہیں۔ بلکہ سنت ہے۔ کسی صاحب نے ایک اونٹنی نذر بارگاہ عالم پناہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے عوض چھ ناقے جوان عطا فرمائے۔ رواہ احمد والترمذی بسند صحیح عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان فلانا اھدی الی ناقۃ فعوضتہ منھا ست بکرات۔ الحدیث[2] (احمد اور ترمذی اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے کہ فلاں شخص نے مجھے ہدیۃً ایک اونٹنی دی تو میں نے اس کے بدلے چھ جوان اونٹ عطا فرمائے) تو عقد ربا کو عاقدین کے لفظ ومعنی سب کے خلاف عقد ہبہ میں کھینچ لائیے۔ اور سود حلال کرلیجئے۔

ایسے حیلے حوالے کوے کا گوشت اور بکرے کے کپورے کھا کر سوجھتے ہوں گے۔ مگر علم وعقل وبصر وبصیرت والے ان کو محض مضحکہ سمجھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ التصیم انما یجب فی محل اوجبا العقد فیہ[3]۔ فتح میں اس کی شرح میں فرمایا۔ التصمیم

---

[1] ہدایہ: جلد ۲ / ۱۹۳ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ

[2] مسند احمد بن حنبل ۲۰ / ۲۹۲

[3] ہدایہ باب سلم ۲ / ۹۳ (م یوسفی لکھنؤ)

العقد انما یکون فی المحل الذی اوجب المتعاقدان البیع فیہ لا فی غیرہ[1]۔ ہدایہ میں ہے۔ التغییر لا یجوز وان کان فیہ تصحیح التصرف[2]۔ فتح میں شرح میں فرمایا: تغییر[3] تصرفہما لا یجوز وان کان فیہ تصحیح التصرف دلیل الاجماع (الی ان قال) فہذہ احکام اجماعیۃ کلہا دالۃ علی ان تغییر التصرف لا یجوز وان کان یتوصل بہ الی تصحیحہ۔ ہدایہ میں اسی کے متعلق ہے فیہ تغییر[4] وصفہ ولا اصلہ۔ عنایہ میں اس کی شرح میں فرمایا۔ والجواب[5] عن تغییر تصرفہ ان یقال فیہ تغییر وصف التصرف واصلہ والاول مسلم ولا نسلم انہ مانع عن الجواز والثانی ممنوع۔ ہدایہ میں ہے۔ اذا اشتری قلبا بعشرۃ وثوبا بعشرۃ ثم باعہما مرابحۃ لا یجوز وان امکن صرف الربح الی الثواب لانہ یصیر تولیۃ فی القلب بصرف الربح کلہ الی الثواب[6]۔ فتح میں ہے۔ اما مسئلۃ المرابحۃ فعدم الصرف لانہ یتغیر اصل العقد اذ یصیر تولیۃ فی القلب۔

(ہدایہ میں ہے تصحیح ایسے محل میں ضروری ہوتی ہے جس میں فریقین نے سودا لازم کیا ہو۔ فتح القدیر میں اس عبارت کی شرح میں فرمایا، تصحیح ایسے محل میں ہوا کرتی ہے جس میں

---

[1] ہدایہ : ۲/۱۰۸ کتاب الصرف (ط لکھنؤ)

[2] فتح القدیر ۵/۳۷۶ (مصر)

[3] ہدایہ : ۲/۱۰۹ کتاب الصرف (ط لکھنؤ)

[4] عنایہ مع فتح القدیر ۵/۳۷۷ (مصر)

[5] ہدایہ ۲/۱۰۹ کتاب الصرف (ط لکھنؤ)

[6] فتح القدیر ۵/۳۷۷ (مصر)

فریقین نے بیع کو لازم کیا ہو اس کے غیر میں نہیں ہوتی۔

ہدایہ میں ہے (سودے) میں تبدیلی جائز نہیں اگرچہ اس سے تصرف کو صحیح کرنا مقصد ہو۔ فتح القدیر میں شرح کرتے ہوئے فرمایا، فریقین کے تصرف میں تبدیلی جائز نہیں اگرچہ اس سے تصرف کی صحت حاصل ہو، یہ اجماع سے ثابت ہے (اس سے آگے یہاں تک فرمایا) یہ تمام احکام اجماعی ہیں اور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تصرف کی تبدیلی جائز نہیں اگرچہ اس سے تصرف کی صحت مطلوب ہو۔ ہدایہ میں اسی کے متعلق فرمایا ہے (کہ) اس میں وصف کی تبدیلی ہے اصل کی نہیں، اس کی شرح عنایہ میں فرمایا کہ تصرف کی تبدیلی کے بارے (سوال کے) جواب میں کہا جائے گا کہ اس میں تصرف کے وصف کی تبدیلی ہو گی یا اصل کی تبدیلی ہو گی، پہلی صورت تسلیم کی جائے گی لیکن اس سے جواز کی ممانعت تسلیم نہیں کی جا سکتی اور دوسری صورت ممنوع ہے۔

ہدایہ میں ہے، دس درہم میں کنگن اور دس میں کپڑا خریدا پھر دونوں کو نفع کی شرط پر فروخت کیا تو یہ جائز نہیں اگرچہ یہاں نفع کو کپڑے کی طرف منسوب کرنا ممکن ہے کیونکہ تمام نفع کو کپڑے کی طرف منسوب کرنے میں یہ کنگن میں بیع تولیہ یعنی عدم نفع کی شرط پر والسی ہو جاتی ہے۔ فتح میں ہے لیکن مرابحہ یعنی نفع کی شرط پر فروخت، کی صورت میں (تمام نفع کو کپڑے کی طرف منسوب نہ کرنا) اس لئے کہ ایسے میں اصل تصرف (عقد) تبدیل ہو کر کنگن میں عقد تولیہ ہو جاتا ہے)

ان تصریحات ائمہ سے روشن ہوا۔ کہ متعاقدین جو عقد کر رہے ہیں۔ وہ اگرچہ باطل وفاسد ہو۔ اور دوسرا عقد ٹھہرانے میں اس کی تصحیح ہوتی ہو۔ ہرگز ایسی تصحیح جائز نہیں۔ اور اس تصحیح کے بطلان پر اجماع قائم ہے جب کہ اس میں اصل عقد عاقدین کی تغییر ہوتی ہے اور تصریح فرمائی۔ کہ بیع کو مرابحہ سے تولیہ قرار دینا بھی ایسی ہی تغییر ہے کہ بالاجماع جائز نہیں۔ حالانکہ وہ رہی بیع کی بیع ہی۔ تو بیع کی سرے سے کایا پلٹ کر کے حوالہ کر دینا کیسے جاہل مخالف اجماع کا کام ہوگا۔ آپ کے لکھے بیع نہ ہوئی۔ افیونی کی ریوڑی ہوئی۔ کہ گرتے ہی مزہ بدل گیا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

دوم۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک ایک معین مثلاً زید کی طرف سے دوسرے معین مثلاً عمرو کے لئے ہوتا ہے۔ کہ اگر زید عمرو کے دَین سے منکر ہو۔ تو عمرو بذریعہ تمسک اس سے وصول کر سکے۔ تمسک اس لئے نہیں ہوتا۔ کہ عمرو جہاں چاہے جس ملک میں چاہے جس شخص سے چاہے اس کے دام وصول کر لے۔ زید کے پاس عمرو بکر خالد ولید دنیا بھر کا کوئی شخص اُسے لیکر آئے۔ یہ اسے دام پڑ کہا دے۔ بلکہ زید و عمرو دائن و مدیون دونوں بالائے طاق رہیں۔ تیسرا شخص محض اجنبی چوتھے شخص نرے بیگانے کو دے کر اس سے دام لے لے۔ دنیا میں کوئی تمسک بھی ایسا سنا ہے اور نوٹ کی حالت یقیناً یہی ہے کہ جو چاہے، جہاں چاہے۔ اگرچہ غیر ملک غیر سلطنت ہو۔ جب کہ یہاں کا سکہ اس سلطنت میں چلتا ہو۔ جس شخص سے چاہے۔ اس کے دام لے لیگا۔ حالت یقیناً مال کی ہے۔ نہ کہ تمسک کی۔ تو اسے تمسک کہنا کیسا اندھاپن ہے۔ بلکہ وہ بالیقین مال ہے۔ سکہ ہے۔ ولکن العمیان لایبصرون۔

سوم۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک کے وجود و عدم پر دَین کا وجود و عدم موقوف نہیں ہوتا۔ بلکہ جب دَین ثابت ہو۔ مدیون پر دینا لازم آئے گا۔ تمسک رہے یا نہ رہے۔ اب فرض کیجئے کہ زید نے لاکھ روپے دے کر خزانے سے ہزار ہزار روپے کے سو نوٹ لئے۔ اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرا دیئے۔ تو اب لازم ہے کہ وہ جب چاہے خزانے سے اپنے آئے ہوئے لاکھ روپے وصول کر لے اگرچہ نوٹ اس کے پاس جل گئے۔ یا پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے۔ یا چوری ہو گئے۔ یا اس نے کسی کو دے دئے۔ کہ خزانہ آپکے نزدیک اس کا مدیون ہے۔ اور تمسک نہ رہنے سے دَین ساقط نہیں ہوتا۔ اور جب نوٹوں کے نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ تو گورنمنٹ کو یہ اندیشہ نہیں ہو سکتا کہ مبادا نوٹ نہ جلے۔ نہ پھٹے۔ بلکہ اس کے پاس موجود ہوں۔ یا اس نے کسی کو دیدیے ہوں۔ تو جب وہ نوٹ یہ یا دوسرا لے کر آئیں ہمیں دوبارہ دینا پڑے گا۔ دوبارہ کیوں دینا ہوگا یہ لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ ہم نے جو روپیہ تجھ سے قرض لیا تھا۔ تجھے ادا کر دیا۔ اب مکرر کیسے طلب کرتا ہے۔ اور دوسرا لایا۔ تو کہدیا جائے گا کہ اس تمسک کا روپیہ ہم اصل قرضخواہ

کو دے چکے ہیں۔ اب ہم پر مطالبہ نہیں۔ مگر ایسا ہرگز نہ ہوگا نوٹ خود جلا کر یا پھاڑ کر یا کسی کو دے کر گورنمنٹ سے روپیہ مانگے تو۔ اگر اس نے پاگل جانا تو اتوار کو کھیر دے گی ورنہ بڑے گھر کی ہوا کھلائے گی۔ اس وقت آپ کی آنکھیں کھلیں گی۔ کہ نوٹ کیسا تمسک تھا۔ یہ حالت صراحۃً مال کی ہے۔ کہ جو شخص کسی سے ایک مال خرید کر پھر اسے تلف کر دے۔ یا کسی کو دیدے۔ اور اپنے روپے بائع سے واپس مانگے۔ تو کم از کم پاگل ٹھہرتا ہے۔

چہارم۔ یہیں سے آپ کے شبہ کا کشف ہو گیا کہ گم جائے۔ یا نقصان آجائے۔ تو بدلوا سکتے ہیں۔ یہ مطلقاً ہرگز صحیح نہیں۔ اور اگر تمسک ہوتا۔ تو واجب تھا کہ ہمیشہ ہر حال میں بدل دیا جاتا کہ تمسک کے نقصان یا فقدان یا خود ہلاک و تلف کر دینے سے دین پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور بعض صورتوں میں اگر بدل دینے کا وعدہ ہو بھی۔ تو اس سے تمسک ہونا لازم نہیں آتا۔ سلطنتوں نے یہ ایک طرفہ اکسیر ایجاد کی کہ ہزار کیمیا کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔ چھدام کے کاغذ کو ہزار کا کر دیں۔ دس ہزار کا کر دیں۔ ایسی سخت اہم بات عام میں مقبول ہونے کے لئے بعض رعایتوں کی ضرورت تھی۔ ملک کو اندیشہ ہوتا کہ کاغذ بہت ناپائیدار چیز ہے۔ آگ میں جل جائے۔ پانی میں گل جائے۔ استعمال سے چاک ہو۔ گم ہو جائے کیا ہو۔ کیا ہو۔ تو ہمارا مال یوں ہی برباد ہو۔ اس کی تسکین کے لئے کچھ وعدوں کی حاجت ہوئی ورنہ ملک ہرگز نوٹ کو ہاتھ نہ لگاتا۔ یہ تو اتنی بڑی کیمیا ہے سوداگر اپنے تھوڑے سے نفع کے لئے اس قسم کے وعدوں سے اطمینان دلاتے ہیں۔ برسوں کے لئے گھڑیاں کی گارنٹیاں کرتے ہیں کہ اس مدت میں بگڑے۔ یا بے کار ہو۔ تو بنا دیں گے۔ بدل دیں گے۔ یہاں بھی کہہ دینا کہ بھلا دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسی ہے۔ آپ ایک کوردہ میں رہ کر دنیا بھر کا ناحق ٹھیکہ لیں۔ ہاں یہ کہئے کہ تاجروں کا یہ کہنا خلافِ شرع ہے پھر گورنمنٹ کے سب اقوال مطابق شرع ہونا کس نے لازم کیا

پنجم۔ سود دینے لینے میں گورنمنٹ کی حالت معلوم ہے کہ وہ اُسے ہر قرض و دَین کا لازم قطعی مانے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص سیونگ اکونٹ کا بنک میں روپیہ جمع

کرے۔ یا وہ ملازم جن کی تنخواہ کا کچھ حصہ کٹ کر جمع ہوتا رہتا ہے اور ختمِ ملازمت پر ان کو دیا جاتا ہے وہ مانگیں یا نہ مانگیں۔ ساری مدت کا سود حساب لگا کر انہیں دیتی ہے۔ بلکہ وہ کہے کہ میں سود نہ لوں گا۔ جب بھی ماہوار سود اس کے نام سے درج ہوتا رہتا ہے اگر خزانہ سے نوٹ لینا روپیہ داخل کر کے اس کا وثیقہ لینا ہوتا۔ تو لازم تھا کہ گورنمنٹ اس کے لئے سود لکھتی رہتی جب تک وہ نوٹ دے کر روپیہ واپس لیتا۔

اب آپ کو تو یہ حیلہ ہوگا کہ ہائیں ہم اور سود مانگیں۔ اگرچہ اللہ عزوجل کی تکذیب۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین۔ ابلیس کو خدا کی خاص صفت میں شریک ماننا کروڑوں درجہ سود بلکہ سؤر کھانے سے بدتر ہے۔ خیر آپ نہ جائیے امتحان کے لئے کسی بنئے کو بھیج دیکھئے۔ کہ ہزار روپے کا نوٹ خزانے سے خریدے۔ پھر سال بھر وہ بنیا اپنے اُس ہزار کا سود گورنمنٹ سے مانگنے جائے۔ دیکھئے تو ابھی اُسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا اور جتنی اُس پر پڑیں گی حقیقۃً اُس پر نہ ہوں گی بلکہ اُس پر ہونگی جس نے اُسے یہ حکم دیا تھا کہ نوٹ کی خریداری نہیں بلکہ روپیہ قرض دے کر تمسک لیتا ہے۔

ششم۔ زید عمرو سے وقتاً فوقتاً سوا دو سوا ور ہزار قرض لیتا رہے اس تمام مدت میں وہ تمسکات لکھ کر عمرو کو دیتا رہے گا اور جس تمسک کی میعاد ختم ہونے آئے گی بدل دے گا۔ یہاں تک کہ اُس پر عمرو کے دس ہزار جمع ہو گئے۔ اب اُس نے ہزار ہزار کے دس نوٹ عمرو کو دیئے اسی وقت سے اُس کا حساب بند ہو جائے گا۔ عمرو سب تمسکات اُسے پھیر دے گا اسے فارغ خطی لکھ دے گا۔ زید اور خود عمرو اور سارا جہان سمجھیگا کہ قرضہ تمام وصول ہو گیا۔ مگر گنگوہی صاحب فرماتے ہیں دس ہزار کے نوٹ دیئے۔ تو کیا ہوا۔ وصول ابھی ایک کوڑی بھی نہ ہوئی۔ اس جہاں بھر سے نرالی مت کا کیا کہنا۔

ہفتم۔ فرض کیجئے گورنمنٹ نے کسی بنک سے بیس لاکھ روپے قرض لئے۔ اور تمسک لکھ دیا کہ دس برس کے اندر ادا کیا جائے گا تین برس گزرنے پر بیس لاکھ کے نوٹ بنک کو دیدیئے۔ تمام جہان اور بنک اور گورنمنٹ سب تو یہی سمجھیں گے کہ قرض ادا ہو گیا۔ مگر گنگوہی صاحب سے پوچھئے۔ کہ اگر یہ نوٹ بھی تمسک ہی تھے۔ تو اس فضول کارروائی کا حاصل

کیا ہو۔ تمسک تو پہلے سے لکھا ہوا موجود تھا۔ اس جدید تمسک کی کیا حاجت ہوئی۔ بھلا زید کو تو اتنا فائدہ ہوا بھی تھا۔ کہ نوٹ دے کر اپنا قرض گورنمنٹ پر اُتار دیا۔ گورنمنٹ کو کیا نفع ہوا۔ اس کا قرض اُسی پر تو رہا۔ اور بنک کی بے وقوفی تو دیکھئے نرے تمسک پر بھول کر حساب بند کر بیٹھا۔ ظاہرًا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی بند تو سب کی بند۔

ہشتم ۔ حوالہ اپنا قرض دوسرے پر اتارنے کو کہتے ہیں۔ تو اگر زید پر عمرو کا قرض نہ آتا ہو۔ بلکہ زید کا قرض بکر پر اور اس حالت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے۔ تو یہ حقیقۃً حوالہ نہ ہوگا۔ بلکہ عمرو کو اپنا قرض بکر سے وصول کرنے کا وکیل کرنا۔ اور اگر نہ عمرو کا قرض زید پر آتا ہو۔ نہ زید کا قرض بکر پر اور اس حالت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے۔ تو یہ محض باطل و بے اثر ہے۔ اگرچہ بکر اس حوالہ کو قبول بھی کرلے۔ کہ اب نہ زید اپنا قرض دوسرے پر اُتارتا ہے۔ نہ دوسرے پر اپنا آتا وصول کراتا ہے۔ بلکہ بلاوجہ عمرو سے کہتا ہے کہ بکر کے مال سے اتنے روپے لے لے۔ بکر کا قبول کرنا وہ نرا ایک وعدہ ہوا۔ کہ میں اتنا مال عمرو کو بخش دوں گا۔ اور محض وعدہ پر جبر نہیں۔ لہذا اس قول کا کچھ اثر نہیں۔ عالمگیری میں ہے۔ اذا احال رجلا علی غریمہ ولیس للمحتال لہ علی المحیل دین فھذہ وکالۃ ولیست بحوالۃ کذا فی الخلاصۃ[1]۔ اسی میں ہے۔ احال علیہ مائۃ من الحنطۃ ولم یکن للمحیل علی المحتال علیہ شیئ ولا للمحتال لہ علی المحیل فقبل المحتال علیہ ذلک لا شیئ علیہ کذا فی القنیۃ[2]۔ (جب کسی مقروض نے قرض، اپنے کسی مقروض شخص پر اُتار دیا اور قرض خواہ کا مقروض پر قرض نہیں تھا تو یہ وکالت ہے حوالہ نہیں ہوگا۔ ایسے ہی خلاصہ میں ہے۔ اسی میں ہے کہ کسی مقروض، نے اپنے مقروض پر سو من گندم اتار دی حالانکہ پہلے مقروض کی کوئی چیز بھی اپنے مقروض کے ذمہ نہ تھی۔ اور نہ ہی قرض خواہ کی کوئی چیز پہلے مقروض کے ذمہ تھی۔ اور مقروض کے مقروض نے قرض کو قبول کرلیا تو (اس دوسرے مقروض) پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ ایسے ہی قنیہ میں ہے۔) اب فرض کیجئے کہ ایک بنک نے خزانہ سے بیس لاکھ کے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ: مسائل شتّی من الحوالہ (پشاور) ۳/ ۳۰۵

[2] 〃 〃 〃 〃 ۳/ ۳۰۵

نوٹ متفرق اوقات میں لئے تھے۔ پھر گورنمنٹ کو قرض لینے کی حاجت ہوئی۔ اس نے بنک سے بیس لاکھ قرض مانگے۔ بنک نے وہی نوٹ دیدئے۔ تو تمام دنیا ہی جانے گی۔ کہ بنک نے ضرور قرض دیا۔ مگر آپ اپنی کہئے۔ اب نوٹ دینا حوالہ تو ہو نہیں سکتا کہ گورنمنٹ کا بنک پر قرض نہ آتا تھا۔ انتہا یہ کہ وکالت ہوگی۔ جس کا حاصل اتنا کہ گورنمنٹ نے اس سے قرض مانگا۔ اُس نے بیس لاکھ کے نوٹ جو نرے تمسک تھے دے کر براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو پر ٹال دیا۔ یعنی گورنمنٹ کو وکیل کردیا۔ کہ خود اپنے خزانہ سے وصول کرو ہم کچھ نہ دیں گے۔ لطف یہ کہ گورنمنٹ بھی نہیں کہتی کہ ہم تجھ سے قرض چاہتے ہیں۔ تو کہتا ہے اپنے ہی خزانہ سے لے لو۔ یہ کیا قرض دینا ہوا۔ زید پر عمرو کے روپے آتے ہوں۔ زید اُس سے اور قرض لینے آئے۔ اس پر عمرو کہے کہ میرا پہلا قرض جو تم پر آتا ہے۔ اسی سے وصول کرلو۔ تو اس نے یہ قرض دیا یا ٹال دیا۔ بلکہ اُسے یوں ٹھہراؤ کہ دین معاف کیا۔ اور تمسک واپس دیئے۔ معاملہ ختم ہوا۔ گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ لے لے۔ اور کوڑی نہ دے۔ سستے چھوٹے۔

نہم۔ فرض کرو گورنمنٹ نے بیس لاکھ کسی کو انعام دیئے تھے۔ پھر ایک وقت پر اس سے قرض مانگا۔ اس نے وہی نوٹ دیدیے دنیا جانے گی۔ کہ گورنمنٹ پر اس کے بیس لاکھ قرض ہو گئے۔ مگر گنگوہی صاحب کہیں گے۔ ایک پیسہ بھی قرض نہ ہوا۔ گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ مفت لیلے۔ اور اسے کچھ نہ دے۔ اس لئے کہ یہ وہ صورت ہے کہ نہ حوالہ کرنے والے پر قرض آتا تھا۔ نہ جس پر حوالہ کیا اس پر اس کا پہلے کوئی دین تھا۔ تو کارروائی باطل ہوئی۔ اور گورنمنٹ کو کچھ دینا نہ آئے گا ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ غرض یہ آپ نے وہ گڑھی ہے۔ کہ نہ گورنمنٹ کے خواب میں ہے۔ نہ ملک بھر کے خیال میں۔ آپ ہی اپنی ڈیڑھ چھٹانک کی الگ بگھار رہے ہیں۔

دہم۔ حوالہ میں محیل مدیون کہلاتا ہے۔ اور دائن محتال۔ اور جس پر قرض اتارا گیا کہ کہ اس سے وصول کرلینا اسے محتال علیہ یا حویل کہئے۔ یہاں جب زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کے نوٹ بیچے۔ تو آپ کے طور پر زید عمرو کا مدیون اور محیل ہوا۔ اور عمرو زید کا دائن اور محتال ہوا۔ اور گورنمنٹ حویل۔ اور شرعی مسئلہ ہے کہ ہر شخص حویل ہو سکتا ہے۔

اگرچہ محیل کا اس پر کچھ نہ آتا ہو۔ کہ اس نے جب حوالہ قبول کر لیا۔ تو اس کا دین اپنے سر لیا۔ اگرچہ اس کا اس پر کچھ مطالبہ نہیں لیکن جب کہ حویل محیل کا مدیون نہ ہو۔ اور محیل کا حوالہ مان کر اس کا دَین محتال کو ادا کر دے۔ تو اسی قدر محیل سے واپس لیگا۔ کہ میں نے تیرے کہے سے تیرا دَین ادا کیا ہے۔ اور اگر محتال حویل کو دین ہبہ کر دے۔ یا کہے میں نے وہ دین تیرے لئے چھوڑ دیا۔ جب بھی حویل محیل سے بھر والیگا کہ ہبہ ہونا بھی ادا ہو جانے کی مثل ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ شرائطها انواع بعضها یرجع الی المحتال علیه منه رضاه وقبول الحوالة سواء کان علیه دین اولم یکن عند علمائنا رحمهم الله تعالیٰ کذا فی المحیط اھ[۱] ملتقطا۔ اسی میں ہے۔ اذا ادی المحتال علیه الی المحتال له او وهبه له او تصدق به علیه او مات المحتال له فورثه المحتال علیه یرجع فی ذلک کله علی المحیل ولو ابرأ المحتال له المحتال علیه برئ ولم یرجع علی المحیل کذا فی الخلاصة واذا قال للمحتال علیه قد ترکته لک کان للمحتال علیه ان یرجع علی المحیل کذا فی خزانة الفتاویٰ[۲]۔ ردالمحتار میں ہے۔ المحال لو ابرأ المحال علیه لم یرجع علی المحیل وان کانت بامره کالکفالة ولو وهبه رجع ان لم یکن للمحیل علیه دین وتمامه فی البحر[۳]۔ (حوالہ کی چند شرائط ہیں۔ بعض شرائط کا تعلق اس شخص کے کے ساتھ ہے جس پر قرض اتارا گیا ہے (محتال علیہ) اس کا راضی ہونا اور حوالہ کو قبول کرنا۔ اس پر قرض ہو یا نہ ہو۔ یہ ہمارے علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک ہے۔ ایسے ہی محیط میں ہے۔ مختصراً۔ اسی میں ہے کہ جس پر قرض اتارا گیا اس نے قرض خواہ کو قرضہ ادا کر دیا، یا اس کو مال ہبہ کر دیا، یا مال اس کو بطور صدقہ دے دیا۔ یا قرض خواہ فوت ہو گیا، تو

---

۱ فتاویٰ ہندیہ : کتاب الحوالہ (پشاور) ۳/۲۹۶

۲ " " تقسیم الحوالہ " /۲۹۸

۳ ردالمحتار : کتاب الحوالہ (مصطفیٰ البابی مصر) ۴/۳۳۱

جس پر قرض اتارا گیا تھا وہ اس کا وارث ہو گیا۔ ان تمام صورتوں میں مقروض کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اگر قرض خواہ نے جس پہ قرض اتارا گیا ہو۔ کو بری کر دیا تو وہ بری ہو جائے گا۔ اور مقروض کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔ ایسے ہی خلاصہ میں ہے۔ اور جب قرض خواہ نے جس پر قرض اتارا گیا ہے، کو کہا میں نے تجھے قرض چھوڑ دیا، تو جس پر قرض اتارا گیا ہے اس کو جائز ہو گا کہ وہ مقروض کی طرف رجوع کرے۔ ایسے ہی خزانۃ الفتاوٰی میں ہے۔ رد المحتار میں ہے کہ جس پر قرض اتارا گیا ہے اگر اس کو قرض خواہ بری کر دے تو وہ کفالت کی طرح مقروض کی طرف رجوع نہیں کرے گا۔ اگرچہ یہ معاملہ مقروض کی اجازت سے ہوا ہو۔ اور اگر قرض خواہ نے اس کو ہبہ کر دیا ہو تو مقروض کی طرف رجوع کیا جائے گا اگرچہ جس پر قرض اتارا گیا ہے، اس پر اس کا قرض نہ ہو۔ یہ تمام بحث بحر الرائق میں ہے۔) اب فرض کیجئے۔ کہ گورنمنٹ نے کسی خدمتگاری کے صلہ میں دس ہزار روپے کا نوٹ آپ کو انعام دیا۔ ایک بنئے نے روپے دے کر آپ سے خرید لیا۔ پھر کسی موقع پر اس نے گورنمنٹ کی نذر کر دیا۔ اب وہی صورت آگئی۔ آپ بنئے کے محیل تھے۔ اور بنیا محتال۔ اور گورنمنٹ حویل۔ اور ظاہر ہے کہ گورنمنٹ آپ کی مدیون نہ تھی۔ آپ بنئے کے مدیون تھے۔ آپ نے اپنا دین نوٹ دے کر گورنمنٹ پر اُتار دیا تھا۔ اور گورنمنٹ نے اپنے قانون عام سے کہ جو نوٹ لائے گا۔ روپیہ پائے گا۔ حوالہ قبول کر چکی اور بنئے نے نوٹوں کا روپیہ یعنی وہ دَین گورنمنٹ کو نذر کر دیا ہبہ کر دیا ترک کر دیا تو لازم کہ گورنمنٹ چاند ٹھوک کر آپ سے دس ہزار وصول کر سکے اس وقت آپ کو حوالہ ماننے کا مزہ آجاتا۔ کہ نوٹ کے نوٹ غائب اور دس ہزار کھوپڑی پر واجب۔ بحمد اللہ اس سفاہت کا بہت طرح رد ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کے حوالہ کی مٹی پلید کرنے کو تلك عشرة كاملة یہ پورے دس کیا کم ہیں و باللہ التوفیق۔

یازدہم۔ تمام جہان تو نوٹ کو مال مانے ہوئے ہے۔ آپ کو اس میں کیا دکھتی سوجھی ہے کہ وہ کچھ محالات اوڑھیے عالم بھر کی آنکھوں میں خاک جھونکئے۔ مگر اسے مال ماننا منظور نہیں آپ کی روش تو یہ تھی۔ کہ جو امر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسائر محبوبان خدا

جلّ وعلا کی تعظیم ومحبت کا پہلو لئے ہو۔ اس میں اپنے مد کی تنگی دکھاؤ بنے نہ بنے شرک کفر حرام بدعت گاؤ۔ اور اپنے معتقدوں کے لئے ذرائع اکل ومعاش میں خوب وسعت لاؤ۔ کوّا کھانا حلال۔ بلکہ ثواب (دیکھو جلد ۲ صفحہ ۱۷۹) بکرے کے خصیے کھانا حلال (دیکھو جلد ۳ صفحہ ۱۹۰) تعجب ہے کہ اسے ثواب نہ لکھا۔ کوّا کالا کالا۔ یہ گورے گورے۔ ان میں تو گنگوہی شریعت سے بڑا چمکتا ثواب چاہیئے تھا۔ پاخانہ اٹھانے کی اجرت مباح خالص حلال طیب جس میں کراہت درکنار۔ کراہت کا شُبہ بھی نہیں۔ بھنگی نے پاخانہ اٹھا کر جو مال کمایا۔ ایسا مقدس ہے کہ اسے تعمیرِ مسجد میں صرف کرنا بھی درست ہے (دیکھو جلد اوّل صفحہ ۱۰۵) واقعی آپ جیسے مقدسوں کے کھانے پہننے اور آپ حضرات کی مساجد ملوّثہ بہ بدعاتِ توہین وتنقیص کے لائق ایسی ہی کمائی تھی۔ ط

ہر شکم ولقمہ شایانِ او

غرض ذرائع دنیا میں اپنوں کے لئے آپ کی یہ وسعت تھی۔ نوٹ کی خرید و فروخت اور اُسے مال سمجھنے میں کون سا حصّہ تعظیم ومحبت محبوبانِ خدا پایا جسے باطل کرنا آپ پر لازم ہوا۔ وجہ تو بتائیے۔ کہ یہ تمام عالم کا اسے مال ماننا کیوں نہ مقبول ٹھہرا۔ ثمن اصطلاحی ٹھہرانے میں اصطلاح قوم وملک پر کاربندی واجب ہوتی ہے۔ یہاں جملہ اقوام وتمام ممالکِ عالم اپنی اصطلاح روشن طور پر بتا رہے ہیں اور آپ ہیں کہ ایک نہ ہزار نہ۔ کوئی یہ تو پوچھے کہ آپ ہیں کون۔ اصطلاحِ جملہ جہان میں دخل دینے والے۔ نوٹ کی مالیت کا ثبوت رسالہ میں صفحہ ۱۳ سے صفحہ ۱۹ تک سوجھئے۔

دوازدہم۔ پیسوں میں نیّت تجارت کی حاجت اس وقت ہے جب وہ ثمن ہو کر نہ چلتے ہوں۔ ورنہ ثمن میں ہرگز نیت تجارت کی حاجت نہیں۔ اگرچہ ثمن اصطلاحی ہو۔ نہ خلقی غنیہ ذوی الاحکام وردالمحتار وغیرہما میں ہے۔ الفلوس ان کانت اثمانا رائجۃ او سلعا للتجارۃ تجب الزکاۃ فی قیمتہا والا فلا۔ درمختار وبحرالرائق

لہ ردالمحتار، باب زکاۃ المال (مصطفی البابی مصر) ۲/ ۳۵

ونہر الفائق میں ہے۔ ماغلب غشه يقوم كالعروض ويشترط فيه النية الا اذا كانت اثمانا رائجة۔ شامی میں ہے۔ ماكان ثمنا رائجا تجب زكاته سواء نوى التجارة اولا۔ اسی میں ہے۔ عين النقدين لا يحتاج الى نية التجارة وكذا ماكان ثمنا رائجا۔ بحر الرائق میں کتب کثیرہ میں ہے۔ ان غلب الغش فلیس كالفضة كالستوقة فينظر ان كان رائجة او نوى التجارة اعتبرت قيمتها فان بلغت نصابا وجبت فيها الزكوة والا فلا۔ (اگر رائج الوقت سکے ہوں یا تجارت کا سامان ہو، تو ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں۔ درمختار و بحر الرائق و نہر الفائق میں ہے کہ جب کھوٹ غالب ہو گا تو قیمت لگائی جائے گی برتنوں کی طرح۔ اس میں نیت شرط قرار دی جائے گی۔ سوائے اس کے کہ رائج الوقت سکے ہوں۔ شامی میں ہے کہ جب رائج الوقت سکے ہوں تو، زکوٰۃ واجب ہو گی۔ برابر ہے تجارت کی نیت کی ہو یا نہ۔ اسی میں ہے۔ کہ سونا اور چاندی میں تجارت کی نیت ضروری نہیں ہے۔ ایسے ہی رائج الوقت سکوں میں۔ بحر الرائق میں کتب کثیرہ سے ہے۔ کہ اگر کھوٹ غالب ہو تو چاندی کی طرح نہیں ہو گا مثلاً جیسے کھوٹا درہم ہے۔ پس دیکھا جائے گا اگر وہ رائج الوقت ہو، یا تجارت کی نیت ہو۔ تو اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر قیمت نصاب کو پہنچ جائے گی تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں) ص ۱۶ دیکھئے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ ایک آدھ روایت ٹٹول آجانا میں اور محل و محمل نہ دیکھنا اور راجح و مرجوح و شاذ و مشہور میں فرق نہ کرنا فقاہت نہیں ہوتا۔ مگر حضرات وہابیہ کے نصیبوں میں تو فقاہت بحمد اللہ نصیبِ دشمناں ہے۔ ان وجوہ قاہرہ کے علاوہ اس دو سطری تحریر

۱ے ردالمحتار مع شامی ۲/ ۳۴ (مصر)

۲ے ردالمحتار۔ شامی ۲/ ۳۵ (مصر)

۳ے ردالمحتار شامی ۲/ ۳۵

۴ے ردالمحتار شامی ۲/ ۳۵ (مصر)

گنگوہیت خمیر میں اور بھی مواخذات ہیں مثلاً (۱۳) نوٹ نقدین بتایا یعنی نوٹ سونا چاندی ہے۔ اور پھر اسی منہ میں یہ کہ تمسک ہے (۱۴) تمسک کو کہنا کہ اس پر زکوٰۃ ہے۔ حالانکہ تمسک سرے سے مال ہی نہیں۔ نہ اس کے عدم و وجود کو زکوٰۃ کے وجوب وعدم میں کچھ دخل (۱۵) نوٹ کے مبیع سمجھنے پر اس کی زکوۃ نہ دینے کی بنا سمجھا۔ کیا بیع پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ ابھی تو آپ پیسوں کو مبیع کہہ کر بحالِ نیت تجارت زکوٰۃ واجب مان چکے ہیں۔ (۱۶) کاغذ کے مبیع سمجھنے کو سخت غلطی کہنا۔ شاید عمر بھر کاغذ خریدتے کا اتفاق نہ ہوا۔ نہ اُن کے گاؤں میں خبر پہنچی کہ دنیا میں کاغذ بھی بکتا ہے (۱۷) لُطف یہ کہ ابھی تو نوٹ کو اس جرم پر کہ کاغذ ہے مبیع سمجھنا سخت غلطی تھا اور ایک ہی ورق بعد صفحہ ۱۷۲ پر خود فرماتے ہیں۔ کہ نوٹ خرید کر بھیج سکتا ہے۔ اے سبحان اللہ؛ نوٹ تو بک سکتا ہی نہ تھا۔ خریدا کیسے جائے گا۔ مگر حضرت کی اُن عظیم سفاہتوں کے آگے ایسی نزاکتوں کی کیا گنتی ع ما علی مثله یعد الخطا۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (۱۸) آپ کیا جواب دیں گے۔ اگر کوئی آپ کی پچھلی نزاکت پر کہے۔ کہ جب آپ نے اس عقد کو کہ لفظ میں نیت میں قصد میں فہم میں قطعاً بیع تھا۔ تمام جہاں کے فہم وارادہ کے خلاف کایا پلٹ کر کے حوالہ تلاش لیا۔ تو آپ اب کس مُنہ سے کہتے ہیں کہ کم زیادہ پر بیع کرنا ربا ناجائز ہے۔ زیادہ پر بیع کا یہ حاصل کیوں نہیں ٹھہراتے۔ کہ زید نے عمرو کے ہاتھ سَو روپے کا نوٹ سوا سو روپے کو بیچا ہے۔ یہ بیع نہیں سوا سو کا سو سے بدلنا نہیں کہ ربا ناجائز ہو۔ بلکہ زید نے عمرو سے سوا سو قرض لئے ہیں۔ اور زید کے گورنمنٹ پر سو آتے تھے۔ وہ اس پر اُتار دیئے، رہے پچیس۔ وہ عمرو نے زید کو چھوڑ دیئے۔ اس میں کونسا ربا ہے۔ فتاویٰ امام قاضی خاں سے رسالہ کے ص۶۷ میں گزرا۔ فان اراد الحیلۃ یستقرض من المشتری اثنی عشر درہما مکسرۃ ثم یقضیہ عشرۃ جیادا ثم ان المقرض یبرئہ عن درہمین فیجوز ذالک[1]۔ نیز خانیہ سے اس کے

---

[1] فتاویٰ قاضی خاں فصل فیما یکون فرارًا عن الربوٰ (نولکشور لکھنؤ) ۲/۴۰۷

متصل گزرا۔ فان اراد الحیلۃ یاخذ التسعۃ بالتسعۃ و یبرئہ عن الدرھم الباقی۔ (اگر کوئی شخص حیلہ کا ارادہ کرتے ہوئے مشتری سے بارہ گھسے ہوئے درہم بطور قرض لیتا ہے پھر اس (مشتری) کو دس نئے درہم ادا کر دیتا ہے اور قرضخواہ (مشتری) اس کو دو درہموں سے بری الذمہ کر دیتا ہے، تو یہ جائز ہے۔ نیز خانیہ سے اس کے متصل گزرا۔ کہ اگر حیلے کے قصد سے نو درہم نو درہموں کے بدلے وصول کر لیے اور باقیوں کے بارے اس کو بری کر دیا۔) اگر کہئے یہ قرض بشرط ابراء عن البعض ہوا تو۔

اولاً: کیوں نہ کہئے کہ جب سرے سے سو کا نوٹ لے کر سوا سو دے رہا ہے۔ تو قرض بعض وہبۂ بعض ہوا۔ پھر اگر زیادت ممتازہ یا تبعیض مغتفر ہو۔ جب تو بلا خدشہ جائز و صحیح و روا ہے۔ اور آپ کا حکم باطل و پادر ہوا ہے۔ ورنہ غایت یہ کہ بوجہ شیوع ناتمام ہو ربا کہاں سے آیا۔ ثانیاً۔ قرض شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔ بلکہ شرط باطل ہو جاتی ہے۔ تو یہ کہئے کہ زید پر پچیس روپے اور واجب رہے۔ نہ کہ سود ہوا۔ فافھم ان کنت تفھم لکنک تفھم انک لا تفھم واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ردِّ وہم

بحمد اللہ تعالیٰ مولوی صاحب لکھنوی کے رد میں کلام شیخ گزرا۔ مسئلہ یازدہم خاص اُنہیں کے رد میں تھا۔ بلکہ کتاب کا اکثر حصہ ان کے رد میں ہے۔ یہاں غالباً اُن کا پتہ دینے پر اکتفا ہو۔ مولوی صاحب کی جلد دوم فتویٰ نمبر ۲۶۔ قولہ ھوالمصوب اقول۔ مولوی صاحب کی عادت ہے کہ ہر جواب سے پہلے یہی لفظ لکھتے ہیں حالانکہ اولاً اللہ عزوجل پر اس نام کا اطلاق وارد نہیں۔ ثانیاً۔ معنی لغت بھی اس کے مساعد نہیں۔ لغت میں مصوّب وہ ہے جو دوسرے کی بات ٹھیک بتائے۔ نہ وہ جو اس کی بات کو ٹھیک

ؔ فتاویٰ قاضی خاں فصل فیما یکون فرارا عن الربوٰ (۲/ ۲۰۱: نولکشور لکھنؤ)

بنائے۔یعنی اسے توفیق صواب بخشے۔ تصویب بعد وقوع قول ہوتی ہے۔اور توفیق صولب اس سے مقدم۔ ثالثاً۔ اس کے اور معنی بھی ہیں۔ کہ باری عزّ وجلّ پر محال ہیں۔ مصوب وہ جو سر جھکائے ہو، مصوب وہ سوار کہ گھوڑا تیز چلائے۔ قاموس میں ہے۔ صوبہ قال لہ اصبت وراسہ خفضہ [1]۔ تاج العروس میں ہے۔ صوبت الفرس اذا ارسلتہ فی الجری۔ ہاں مصوب وہ بھی ہے کہ دوسرے کا سر نیچا کرے۔ یا بلندی سے پستی میں اتارے۔ تاج العروس میں ہے۔ التصویب خلاف التصعید ومن قطع سدرۃ صوب اللہ رأسہ فی النار ای نکسہ [3] اھ مختصراً۔ (اگر کسی نے دوسرے کو صوبہ کہا تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے کسی دوسرے کو اَصَبتَ (تو نے درست کہا) اور اگر اس نے صوب رأسہ کہا تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے اس کے سر کو جھکا دیا۔ تاج العروس میں ہے صَوَّبتِ الفَرَسُ تو اس وقت کہے گا جب تو گھوڑے کو دوڑ کے لئے چھوڑ دے۔ ہاں مصوب وہ بھی ہے کہ دوسرے کا سر نیچا کرے یا بلندی سے پستی میں اتارے۔ تاج العروس میں ہے التصویب التصعید کی ضد ہے (تصویب نیچے اتارنا، تصعید بلندی کی طرف لے جانا) اور جس شخص نے بیری کا درخت کاٹا اللہ تعالیٰ اس کو اُلٹے سر دوزخ میں گرائے گا۔ یعنی اُس کو اُلٹے سر کرے گا۔) یہ اگر ہوتا تو مثل خافض رافع سے جدا نہ بولا جاتا۔ کما فی کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی پھر جبکہ مضاف الیہ مذکور نہیں۔ تو امثال مقام میں خود متکلم کی طرف اس کی اضافت مفہوم ہوتی ہے۔ جیسے ھو الھادی سے شروع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے۔ کہ قائل اپنے لئے ہدایت مانگتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ کیا دعا ہوئی۔ کہ الٰہی قائل کا سر نیچا کر دے۔ الٰہی اُسے پستی میں ڈال دے۔ یہ بحث اگرچہ مسئلہ نوٹ سے جدا تھی۔ مگر منکر یا پسندیدہ پر

---

[1] قاموس المحیط : باب الباء (مصطفیٰ البابی مصر) ۱/۹۷

[2]

[3]

اطلاع دینا مناسب ہے۔ وباللہ التوفیق۔

قولہ نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں مگر عرفاً حکمِ ثمن میں ہے اقول اولاً۔ یوہیں اکنیاں اور پیسے بھی پھر اس سے کیا حاصل ہوا۔ ثانیاً۔ اگر یہ مراد کہ اہل عرف اُس کے لئے ثمن کے جملہ احکام شرعیہ ثابت کرتے ہیں۔ تو صریح غلط۔ بلکہ عامۂ اہل عرف اُن احکام سے آگاہ بھی نہیں۔ بلکہ یہ عرف مومنین وکافرین میں مشترک۔ اور اگر یہ مقصود کہ ثمن سے جو اغراض اہل عرف سے متعلق ہیں۔ اُن سب میں نوٹ کو اُس کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔ جب بھی غلط۔ ثمن کے مقاصد سے ایک عمدہ مقصد لباس میں تزین، ظروف وغیرہا میں تجمل ہے۔ اور نوٹ ہرگز اس میں قائم مقام ثمن نہیں۔ اور اگر یہ مطلب کہ ثمن کے بعض اغراض یعنی تموّل اور حوائج تک اس کے ذریعہ سے توسل میں نائب مناب جانتے ہیں۔ تو ثمن اصطلاحی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اہل عرف اپنی اصطلاح سے ان اغراض میں اسے مثلِ ثمن کام میں لائیں۔ پھر اس سے جملہ احکام شرعیہ ثمن کا ثبوت کیونکر ہو گیا۔ کیا ثمن خلقی واصطلاحی میں شرعاً فرق احکام نہیں۔

ثالثاً۔ حکم شئے میں ہونا جنس وقدر شئے میں شئے سے اتحاد نہیں۔ اور یہاں تصریح حدیث وجملہ کتبِ فقہ اسی پر مدار ہے۔ قولہ بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے۔ اقول اولاً ثمن اصطلاحی سے عینیت مثل اتحاد خاص وعام مسلّم مگر وہ آپ کو مفید نہیں۔ اور ثمن خلقی یعنی زر وسیم سے عینیت مسلّم نہیں۔ کوئی سمجھ وال بچہ بھی نہیں سمجھتا کہ نوٹ بعینہٖ چاندی سونا ہو گیا۔ اگر کہیے مراد یہ ہے۔ کہ لین دین میں اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ جیسے روپیہ اشرفی۔ تو یہ وہی عرفاً حکم ثمن میں ہونا ہوا۔ نہ کہ عین ثمن سمجھا جاتا، تو بلکہ لغو بلکہ غلط ہوا۔

ثانیاً۔ نوٹ بداہۃً ثمن اصطلاحی ہے۔ اور اصطلاحی وخلقی متباین اور متباینین میں عینیت محال۔ اور اہل عرف مجانین نہیں۔ اور تاویل مذکور بلکہ مہجور سے۔

ثالثاً۔ اگر بفرض غلط اہل عرف ایسا سمجھ بھی لیتے۔ تو شرع مطہر تو عندیہ کا مذہب جنون روا نہیں رکھتی۔ کہ اُن کے سمجھ لینے سے خود بھی اسے عین ثمن قرار دے کر جملہ احکامِ ثمن نافذ فرما دے۔

رابعًا۔ ثمن خلقی جنس ہے دو قسم ذہب و فضہ میں منحصر اور نوٹ فی نفسہٖ ایک نوع مستقل ہے۔ اس کا عین مفہوم کلی معنی جنس سمجھا جانا تو بداہۃً باطل اسی طرح انواع مباینہ و متباینہ سے عینیت اور جنس سے اتحاد خاص و عام کی عینیت تثلیث کرے گی۔ اور وہ شرعًا باطل ہونے کے علاوہ مقصود پر نقض سے عود کرے گی کہ انواع مختلفۂ ثمن میں بتصریح حدیث و اجماعِ امت تفاضل حلال **قولہٗ** اس وجہ سے کہ اگر نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کردے تو اصل مالک سو روپے تاوان لیتا ہے **اقول اوّلًا**۔ اگر کوئی سو روپے کا گھوڑا ہلاک کردے۔ جب بھی مالک سو روپے تاوان لیتا ہے تو کیا گھوڑا اور روپے بھی عین ہو گئے۔ اور پھر نوٹ بھی گھوڑا ہو جائے گا۔ کہ عین کا عین ـــــ اور لفظ اصل حشو ہے

ثانیًا۔ یہ تو ظاہر عبارت پر تھا۔ اب حل سنئے لیتا ہے سے بخوشی لینا مراد یا یہ کہ وہی حکم شرع ہے کہ اس پر جبر ہوگا۔ اوّل مسلّم اور اس سے وہم عینیت مدفوع۔ اور اگر فرق نہ سمجھنے کا پیوند لگائیے۔ جب بھی لایعنی من جوع کوئی ۶۴ پیسے کسی کے تلف کردے۔ تو مالک بخوشی ایک روپیہ لے لیگا۔ اور اُس میں اور ۶۴ پیسے لینے میں کچھ فرق نہیں سمجھے گا۔ اس سے روپیہ اور پیسے متحد نہ ہو گئے۔ اور ثانی میں جبر متلف پر ہے۔ یعنی اسے روپے ہی دینے پر مجبور کریں گے۔ یا مالک پر کہ اسے قبولِ زر پر جبر کریں گے۔ اول صراحۃً باطل۔ وہ سَو کا نوٹ بھی دے سکتا ہے اور مالک کو کوئی انکار کی وجہ نہیں۔ بلکہ وہی حکم اصلی ہے۔ کہ نوٹ مثلی ہے۔ معہذا یہ مقصود پر نقض کے ساتھ عائد ہوگا۔ کہ اتلافِ نوٹ میں ادائے دراہم پر جبر ہو۔ تو نوٹ قیمتی ٹھہرے۔ اور روپیہ مثلی ہے۔ اور قیمتی و مثلی ایک نہیں سمجھے جا سکتے۔ اور ثانی بر تقدیر تسلیم مفید عینیت نہیں۔ کہ اثمان رائجہ میں بحال تساوی رواج و مالیت ادا کرنے والا مخیر ہوتا ہے۔ اور انکارِ تعنّت۔ اس کا بیان رسالہ کے ص۹۷ سے ص۱۰۱ تک دیکھئے۔ **قولہٗ** اور سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وہ کاغذ و پیسہ کا بھی نہیں ہے۔ بلکہ مقصود سو روپے کا بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے۔ **اقول** (۱۳ تا ۱۷) اس کے پانچ رد حاشیہ ص۱۰۳ میں گزرے۔ اور ۱۸ تا ۲۲) وہ جو کہا کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں۔ اس کے بھی پانچ

ردگزرے چار صـ۱۱ تا صـ۱۳ پر۔ **اوّل** یہ کہ حسبِ تصریح علماء کا ایک ٹکڑا صرف عاقدین کی تراضی سے ہزار روپے کو بک سکتا ہے۔ نہ کہ یہاں لاکھوں آدمیوں کی اصطلاح۔ **دوم**۔ سکہ قیمتی ہے۔ **سوم** حقیر شے کسی وصف کے سبب اپنے ہزاروں امثال سے گراں ہو جاتی ہے۔ **چہارم** ورقِ علم کا مسئلہ اور پانچواں ردصـ۳۱ پر کہ تقوم میں حال پر نظر ہے نہ کہ اصل پر۔ **قولہ** اور نوٹ سو روپے کا اگر کوئی شخص قرض لے۔ تو بوقتِ ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوئے۔ یا سو روپے دیوے۔ دونوں امر سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عذر نہیں ہوتا، حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقتِ ادا دیوے تو دائن نہیں لیتا ہے۔

اقول اوّلاً[۱] - پندرہ روپے اگر کوئی قرض لے۔ تو وقتِ ادا پندرہ روپے دے یا ایک ۱۵ وزن دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مدیون غیر جنس دے۔ تو دائن نہیں لیتا۔ تو آپ کے نزدیک روپے اور اشرفی یعنی چاندی اور سونا بھی جنس واحد ہوئے اور قدر تو متحد تھی ہی۔ تو فرض قطعی ہوا۔ کہ سونا جب چاندی سے بیچیں۔ دونوں کانٹے کی تول برابر کر لیں رتی بھر کمی وبیشی ہوئی۔ تو سود وحرام وگناہ کبیرہ واستحقاق نارِ جحیم وعذابِ الیم ہوگا۔ یہ اجماع قطعی جمیع امت مرحومہ وتواتر قطعی وعقل جملہ عقلائے عالم سب کے خلاف ہے۔

ثانیاً - آٹھ آنے پیسے اگر کوئی قرض لے۔ تو وقتِ ادا پیسے ہی دیے۔ یا آٹھ اکنیاں یا ایک اٹھنی۔ تینوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مدیون غیر جنس دے۔ تو دائن نہیں لیتا۔ تو چاندی اور تانبا بھی جنس واحد ہوئے۔ اور چاندی اور سونا تو پہلے متحد ہو چکے ہیں۔ تو تانبا اور سونا بھی ایک جنس ہوئے کہ متحد کا متحد متحد ہوتا ہے۔ اور ان سب میں قدر تو متحد تھی ہی۔ تو فرض قطعی ہوا کہ تولہ بھر سونا دو ہی پیسے کو بیچا جائے۔ ایک چھدام بھی زیادہ ہوا تو سود کا سامنا اور جہنم کی آگ ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور تو کیا عرض کروں۔ لیکن صراف اگر اس فتوے پر عمل کر لیں۔ تو بازار تو ایک ہی دن میں پٹ ہو جائے۔

---

[۱] یہاں متصل دو سطروں میں تین جگہ دیوے ہے۔ اس پر بعض فصحاء نے کہا کہ عجب اس فصیح سے جو دیوے لیوے کہوے۔ حالانکہ لکھنؤ میں رہوے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ اعتراض سا ہے۔ ایسے فضلاء معانی میں یوں غرق ہوتے ہیں جیسے ثمن میں نوٹ۔ تو اُن کے الفاظ ساقط الاعتبار ہیں ۱۲ کاتب عفی عنہ

ثالثاً۔ پندرہ روپے کے نوٹ اگر کوئی قرض لے۔ ایک دس اور ایک پانچ کا۔ یا تینوں پانچ پانچ کے۔ تو وقت ادا خواہ پندرہ کے نوٹ دے۔ یا ایک ساورن دونوں مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مدیون غیر جنس دے۔ تو دائن نہیں لیتا۔ تو اب نوٹ اور سونا ایک جنس ہوئے۔ اور آپ نوٹ اور چاندی ایک جنس کر چکے ہیں۔ اور چاندی اور سونا قطعاً دو جنس متباین ہیں۔ ولہذا باجماع امت و تواتر قطعی ان میں تفاضل روا ہے۔ تو شے واحد و نوع متباین سے کیونکر متحد ہو گئی۔ ظاہر ہوا کہ اس عذر نہ ہونے کو مقید اتحاد جنس سمجھنا سخت وہم باطل تھا۔ بلکہ اس کی وجہ وہی تساوی رواج و مالیت ہے جس کا بیان صفحہ ۱۰۶ سے صفحہ ۱۱۰ تک گزرا۔

رابعاً۔ حل یہ ہے کہ بے عذری یعنی قبول ذی حق و اتحاد جنس میں عموم خصوص من وجہ ہے۔ کہیں اتحاد جنس ہے اور قبول نہیں سونے کا گہنا خریدنے والا اس کے بدلے اشرفیاں نہ لے گا۔ اور کہیں قبول ہے۔ اور اتحاد جنس نہیں۔ جیسے پندرہ روپے اور اشرفی۔ روپے اور نوٹ۔ نوٹ اور اشرفی۔ اٹھنی اور پیسے۔ اٹھنی اور اکنیاں اور مادۂ اجتماع ظاہر ہے۔ تو ایک کے وجود سے دوسرے کے حصول پر استدلال ایسا ہے کہ یہ کاغذ ابیض ہے۔ لہذا حیوان ہے کوا حیوان ہے۔ لہذا ابیض ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

خامساً۔ یہ شبہ وہی ہے جو نوٹ ہلاک کرنے پر فرمایا تھا وہاں اہلاک سے ضمان آئی تھی۔ یہاں قرض سے۔ بات ایک ہی ہے۔ اور یہی مولوی صاحب کے سارے شبہ کی جڑ ہے۔ اس غرض کے لئے کہ کچھ تو شاندار ہو جائے۔ اسے بار بار دو ایک لفظ بدل کر فرماتے ہیں۔ ہاں بیان میں اتنا فرق ضرور ہوا۔ کہ پہلی عبارت ناقصہ قاصرہ تھی۔ مگر پوری بات اب بھی ادا نہ ہوئی۔ عذر نہ ہونا عذر نہ ہو سکنے کو مستلزم نہیں۔ اور ممکن کہ بوصف تغایر جنس کسی غرض و وجہ خاص کے سبب عذر نہ ہوں۔ ہاں عذر نہ ہو سکنا کچھ وہم ڈالتا۔ مگر ہم انہیں صفحات میں بحر الرائق و رد المحتار سے اس کا ازالہ کر آئے کہ شرعاً بھی باوجود مغایرت کے ہنگام استوائے رواج و مالیت قبول پر جبر کیا جاتا ہے اور عذر تعنت قرار پاتا ہے تو اب جڑ کا شبہ جڑ سے اکھڑ گیا۔ وللہ الحمد۔

سادسًا۔ طرفہ مزہ یہ ہے کہ ابھی تو نوٹ کو بے قدر ٹھہرا کر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں۔ اسے معاملہ سے جدا اور خود روپوں پر وروددعقد بیان فرما چکے ہیں۔ اور بلافصل اُس کے متصل ہی نوٹ پر ورود عقد اور اس کے عین جنس نقد بنا دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ یہ تناقض کتنا بالطف ہے۔

سابعًا۔ میں ایک ہی تناقض کہہ رہا ہوں وہاں پہلے فقرے میں نوٹ کو سو روپے کا مال بتایا۔ جس کا تاوان سو روپے آیا۔ دوسرے فقرہ میں اُسے موارد عقد سے جلاوطن ہونے کا حکم فرمایا۔ کہ حقیقۃً روپے بکتے ہیں۔ وہ کاغذ تو ٹکے کا بھی نہیں۔ تیسرے فقرہ میں وہی کاغذ جو کروٹ لے تو پھر سو روپے کا۔ بلکہ سو روپے سے متحد الجنس ہوگیا۔

ثامنًا۔ لطف یہ کہ دعویٰ تو وہ فرمایا۔ کہ نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا ہے۔ اور اخیر تک بار بار اسی کی تکرار ہوگی۔ اور اس کے دلائل میں یہ کہ روپیوں کا بیچنا مقصود ہوتا ہے۔ نہ اس کاغذ کا۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ نوٹ نہیں مگر یہ کاغذ۔ تو اگر نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا۔ خود اس کاغذ ہی کا بیچنا مقصود ہوتا۔ نہ کہ روپیوں کا تو ذلیل مناقض دعویٰ ہے فافہم۔[لہ]

قولہ بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں۔ مگر یہ کیفیت اُن کی نہیں ہے۔ اگر ایک روپے کے عوض میں کوئی چیز خریدے۔ یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور وقتِ ادا پیسے ایک روپے کے دیوے۔ تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے۔ اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا۔ کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔

اقول اوّلاً خلافِ منصوص ہے جیسا کہ گزرا۔

ثانیًا۔ مشاہدہ کے خلاف اور یوں اعتبار نہ آئے۔ تو اس کا عکس کر دیکھئے۔ کہ ۶۴ پیسے قرض لئے یا ثمن قرار دیئے ہوں۔ اور ایک روپے دے۔ تو دائن و بائع کو ہرگز کچھ عذر

لہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان تین اور ۱۳ تا ۲۲ میں اکثر عذر خواہی کے لئے شاید ایک تاویل گڑھتے کہ ہم نے اشارہ میں صرف ذات من حیث المقدر مراد لی اور مع سائر الاوصاف اسی کو روپے جانا۔ مگر یہ گڑھت کے علاوہ بداہت سے صاف مکابرہ اور دعویٰ پر صریح مصادرہ ہے۔ کما لا یخفیٰ۔ لہٰذا نہ قابلِ سماعت نہ بعد سماعت اعتراض سے نجات بات بن جائے۔ یہ بہرحال ناممکن ۱۲ منہ حفظ ربہ

نہیں ہوتا۔ بے تکلف قبول کر لیتا ہے۔ اور عذر کرے تو متعنت ہے۔ اور متعنت کی بات مردود۔

ثالثًا۔ مولوی صاحب چوکے سو روپے کی مثال لاتے۔ تو بات نظر عوام میں لگتی ہوئی ہوتی۔ واقعی جو سو روپے قرض لے پھر ان کے بدلے چھ ہزار چار سو پیسے دینا چاہے تو داشن کہے گا کہ میں کہاں سیر بھر چاندی کی جگہ دو من پکے سے زیادہ تانبا لاد تا پھروں۔ صندوقچی کے ایک خانہ کی جگہ پیسوں سے مٹکا بھروں۔ مگر ساتھ ہی دوانی چوانی اٹھنی سب نقص کو آموجود ہوتیں ہر شخص جانتا ہے کہ دوانی کا کچھ خرید کر دو آنے پیسے دیجئے تو اصلًا جائے انکار نہیں ہوتی۔ اور جب ریزگاری اور پیسے متحد الجنس ہوئے۔ اور ریزگاری اور اور روپے ایک جنس ہیں۔ تو روپے اور پیسے بھی ایک جنس ٹھہرے کہ متحد کا متحد متحد ہے۔ بلکہ بالواسطہ عینیت کیوں لیجئے۔ اسی کا عکس دیکھئے۔ ۶۴ پیسے قرض لئے ہوں اور ادا میں سو روپے دیئے۔ ابھی دیکھیے بلا عذر قبول ہوں گے۔ اور نہ مانے تو خبطی ٹھہرے۔ تو ظاہر ہوا۔ کہ یہاں بنائے عذر امر خارجی ہے مثلًا منوں بوجھ وغیرہ۔

رابعًا۔ اگر ہم آپ کی ارخائے عنان کو مان بھی لیں۔ کہ صحت عذر اگرچہ بعض صور میں ہو، نافی اتحاد جنس ہے۔ تو اب نوٹ میں اتحاد کی خیر نہیں۔ ادائے قرض کے وقت عذر نہ ہو۔ تسلیم مبیع کے وقت ضرور متصور، زید کو سو روپے کا ڈاک میں بھیجنا ہے۔ کہ ۲۰ کی رجسٹری بس ہوگی۔ اور منی آرڈر ایک روپے میں ہوگا۔ خصوصًا اگر گنگوہی دھرم کا ہوا تو وہ منی آرڈر کو حرام ہی جانے گا۔ اس نے عمرو سے نوٹ خرید۔ عمرو تسلیم مبیع کے وقت روپے یا بیس بیس کی پانچ اشرفیاں دکھائے۔ زید ہرگز نہ مانے گا۔ تو معلوم ہوا کہ نوٹ

اور ثمن ایک جنس نہیں۔ **قولہ** پس پیسے اگرچہ عرفًا ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے گو عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت عرفیہ ہوا۔

اقول اوّلًا۔ اس پس کا حل بھی وہی ہے۔ جو پیشتر گزرا۔ کہ قبول واتحاد جنس عام خاص من وجہ ہیں۔ تو جس طرح ایک کے وجود سے دوسرے کے وجود پر استدلال باطل یوں ہیں عدم سے عدم پر آپ کا پہلا استدلال اس طرز کا تھا۔ کہ کوا سیوان ہے لہذا ابیض

ہے۔ یہ دوسرا اس رنگ کا ہوا کہ کوا ابیض نہیں۔ لہذا حیوان نہیں۔

ثانیاً۔ آپ نے محنت بہت اٹھائی۔ مگر افسوس کہ دعویٰ بے دلیل ہی رہا۔ آپ کو چاہیئے تھا۔ کہ اولاً عینیت عرفیہ کا مناط منقح کرتے۔ نہ ایسا جس پر اتنے نقض ہوں ثانیاً اس مناط کا یہاں تحقق پایۂ ثبوت کو پہنچاتے۔ ثالثاً کلام ائمہ سے اس کا ثبوت دیتے کہ جہاں عینیت عرفیہ ہو۔ شرع اسے اتحاد جنس مان لیتی ہے۔ اور جب یہ کچھ نہیں تو خرط القتاد سے کیا حاصل۔ ثالثاً۔ ساری کوشش اتحاد جنس کی طرف تو مبذول فرمائی۔ اتحاد قدر کی شرط کہاں بھلائی۔ نرے اتحاد جنس سے تو تفاضل حرام نہیں ہو جاتا۔ اتحاد قدر بھی تو لازم ہے نوٹ سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا۔ کہ نہ مکیل ہے۔ نہ موزون۔ بلکہ معدود ہے۔ تو ہزار خرابی اگر اتحاد جنس کا چاک رفو بھی ہو جائے۔ تو اتحاد قدر کا پیوند کدھر سے آئے گا۔ تفاضل تو اب بھی حلال رہا۔

رابعاً۔ رسالہ نے صـ۲۸ سے صـ۲۹ تک دلیل قاہر سے ثبوت دیدیا کہ نوٹ روپیوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے۔ اگر قدر یا جنس کوئی بھی ایک ہوتی۔ تو نسیہ حرام ہوتا۔ تو ثابت ہوا کہ یہاں اصلاً کچھ متحد نہیں۔ **قولہ** پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ میں بھی جائز ہو جائے۔ کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی۔ گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں صفت ثمنیت کی آگئی ہو۔

اقول اولاً۔ یہ دوسری پس اسی پس پیشین کی پس رو ہے، جسے پیشتر پسپا کر دیا گیا الشجرۃ تنبئ عن الثمرۃ۔ **ثانیاً** بعینہٖ یہی حال نوٹ کا ہے ولکن لا تعلمون **ثالثاً**۔ روپے اور اشرفی کا مسئلہ کہاں بھولے صـ۴۶ دیکھئے۔ ایک اشرفی کو ایک روپیہ میں بیچنا قطعاً درست ہے حالانکہ وہ تو دونوں یقیناً جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی۔ اگر کہئے وہ جنس ثمن ضرور ہیں۔ مگر باہم تو متباین نوعیں ہیں۔

اقول۔ یونہیں نوٹ بھی۔ کون عاقل کہے گا۔ کہ روپیہ اور اشرفی دو چیزیں جدا ہیں۔ مگر اشرفی اور نوٹ ایک ہی چیز ہے۔ اور تفصیل تحقیق یہ ہے کہ ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت میں دو جنسیں ہیں خلقی اصطلاحی۔ اصطلاحی کی نوعین نوٹ پیسے کوڑیاں اور خلقی پھر ایک

جنس ہے۔ جس کے نیچے دو جنسیں ہیں سونا چاندی۔ شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفۃ الاغراض ہوں۔ ظاہر ہے۔ کہ روپے یا اشرفی کی غرض اور ہے۔ اور سونے چاندی کے گہنے کی اور برتنوں کی اور گوٹے پٹھے کندلے کی اور تو نوٹ نوع حقیقی ہے جس کے سبب افراد متفقۃ الاغراض ہیں۔ کسی جنس کا بھی عین نہیں ہو سکتا کہ اتفاق واختلاف متباین ہیں۔ نہ کہ جنس الجنس کا اور دخول تحت الجنس کا حال اوپر گزرا۔
رابعًا۔ جانے دیجئے ثمن خلقی کی نوع سے ہی اتحاد سہی۔ تو دو نوع متباین سے تو متحد نہیں ہو سکتا۔ ورنہ مباین باہم متحد ہو جائیں گے۔ اور شے اپنے نفس کی مباین ہوگی۔ ناچار ایک سے اتحاد مانیے گا۔ اور وہ نہیں۔ مگر روپیہ۔ کہ آپ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا حرام کر رہے ہیں۔ تو اشرفی سے یقیناً متحد نہ ہوگا۔ اب دس روپے کا نوٹ ہزار اشرفی کو بیچنا حلال کیجئے۔ اور دوانی اوپر دس روپے کو بیچنا حرام۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب فتویٰ ہوگا۔ دیکھئے رسالہ کا صـ۱۱۱ **قولہ** پس ہر گاہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔ اقول اوّلاً اغراض کہئے۔ کہ یہی اہل عرف کے ہاتھ میں ہیں۔ نہ کہ احکام شرعیہ جو نہ اُن کے ہاتھ میں ہیں۔ نہ اُن کے اکثر کو معلوم۔ نہ اُن کی طرف انہیں التفات۔ بلکہ اکثر کو اُن پر ایمان بھی نہیں۔ تو احکام شرعیہ میں اہل عرف کا اسے عین سمجھنا محض کذب اور اپنی اغراض میں یکساں جاننا احکام شرعیہ میں اتحاد کو مستلزم نہیں۔ اور بقیہ کلام کا رد قول اوّل میں گزرا۔ ثانیاً۔ جیسی عینیت آپ یہاں بتا سکتے ہیں۔ بعینہا ویسی ہی اکنیوں اور پیسوں کو دوانی چوانی اٹھنی سے ہے۔ وہاں تفاضل کیوں جائز ہوا۔ ثالثًا روپے اشرفیاں تو خود عین ثمن خلقی ہیں۔ کسی کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔ ان میں کیوں درست ہوا؟ **قولہ** باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا جائے گا۔ اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔ **اقول اوّلاً** یہاں آکر اس تیسری پس کا خاتمہ ہوا۔ اور پہلی دلیل نے دم توڑا مگر یہ پس پسینہ تو سب پسہائے پیشینہ سے علاقہ بہ عقل میں بیس اور وضوح بطلان میں پیش ہے۔ سب خرابیاں اوڑھ کر فرض کر لیجئے۔ کہ ہاں تفاضل حرام ہوا۔ تو وہی تفاضل حرام ہوگا۔ جو ثمن خلقی میں حرام تھا۔ جس کا اسے عین سمجھا گیا۔ یا دلیل لاتے وقت تک

عینیت تھی۔ اور نتیجہ دیتے وقت غیریت سے کایا پلٹ ہو کر کوئی نیا حکم نکالے گی۔ جو ثمن خلقی میں اصلاً نہیں۔ آخر اسی بنا پر تو حکم لگاتے تھے۔ کہ نوٹ ثمن خلقی کا عین ہے تو وہی حکم لازم ہوگا۔ جو ثمن خلقی میں تھا۔ نہ اس کا غیر کہ حکم لازم شے ہوتا ہے۔ اور تغیر لازم نافی عینیتِ ملزوم اب دیکھ لیجئے۔ کہ ثمن خلقی میں کونسا تفاضل حرام ہے۔ قدر میں یعنی کانٹے کی تول وزن میں برابر ہونا لازم اگرچہ مالیت میں کتنا ہی فرق ہو۔ اب جو آپ سو روپے کا نوٹ سو روپے کو بیچنا حلال کر رہے ہیں۔ اپنے طور پر یقیناً سود حلال کر رہے ہیں۔ کہ سو کا نوٹ کبھی وزن میں سیر بھر نہ ہوگا دیکھئے رسالہ ص۷۸ تا ص۷۹

ثانیاً۔ (۴۸ تا ۵۷) تفاضل مالیت کے جواز پر دس دلیلیں رسالہ میں گزریں ص۶۰ تا ص۶۷ **قولہ** فانما الاعمال بالنیات۔ **اقول۔** جناب گرامی نے صفحہ بھر کی دلیل میں محض اپنے تخیلات سے کام لیا۔ کوئی حرف سند میں نہ لائے۔ اور یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ دلیل یوہیں من گڑھت پر گزر جائے۔ اصلاً سند کا نام نہ آئے۔ لہذا یہ حدیث شریف صرف وزن بنانے دلیل کا بھرم رکھنے کو ذکر فرمادی۔ اگر عرض کیجئے کہ اسے محل سے کیا علاقہ آپ کی دلیل کے کس مقدمہ کا اس سے ثبوت۔ تو جواب یہی ہوگا۔ کہ کچھ نہیں۔ مگر آخر حدیث صحیح ہے۔ اس کا پڑھنا ثواب سے تو خالی نہیں۔ اگرچہ محل سے بے علاقہ ہو۔ اسی نیت سے ہم نے لکھ دی۔ وانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی دلیل کا حاصل صرف اتنا ہے۔ کہ نوٹ اہل عرف کے نزدیک جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہے۔ یہ کچھ تفاوت نہیں سمجھتے۔ اور جو جمیع احکام میں بلا تفاوت عین ہو۔ تفاضل میں بھی عین ہوگا۔ کہ یہ بھی ایک حکم ہے۔ لہذا نوٹ میں تفاضل حرام۔ اس میں کبریٰ تو واضح ہے۔ کہ محتاج استدلال نہیں۔ اور حدیث کا اس سے بے علاقہ ہونا بھی واضح۔ ساری عرق ریزی ثبوتِ صغریٰ میں فرمائی ہے۔ جس کی خدمت گزاری گزری۔ کہ ایک حرف بھی ٹھکانے کا نہیں۔ مگر یہ فرمایئے کہ حدیث اس کا کیا ثبوت دیتی ہے۔ اعمال نیتوں پر ہیں۔ اور ہر شخص اور اس کی نیت اس سے کیا ثابت ہوا۔ کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہیں۔ ہاں یہ کہئے کہ جب اہل عرف نے دیدہ و دانستہ کاغذ کو کاغذ سیم و زر کو سیم و زر سمجھتے ہوئے نیت کرلی۔

کہ یہ کاغذ جمیع احکام میں سونے چاندی کا عین ہے۔ تو اُن کے حق میں عین ہو گیا کہ اعمال نیت پر ہیں۔ اور ہر شخص اور اس کی نیت **اقول** نوٹ کا بعینہٖ سونا چاندی ہونا کوئی عمل نہیں۔ بیع و شرا وغیرہ معاملات عمل ہیں۔ اور نوٹ ان کا محل اور محل تابع نیت نہیں۔ ورنہ عندیہ کا مذہب لازم آئے۔ زوجہ میں ماں ہونے کی نیت اسے حرام ابدی کر دے حالانکہ بنص قطعی قرآن اُسے ماں کہنے کی صریح تصریح بھی حرام نہیں کرتی۔ صرف یہ قول باطل وگناہ ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ الذین یظھرون منکم من نسائھم ما ھن امھتھم ان امھتھم الا الئی ولدنھم وانھم لیقولون منکرا من القول وزورًا وان اللہ لعفو غفور۔ (تم میں جو اپنی عورتوں کو اپنی ماں کہیں وہ اُن کی ماں نہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں۔ اور وہ بیشک ضرور بُری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے) اور عکس کی نیت اور بھی شنیع و ناپاک تر ہے۔ یوں ہیں اگر بفرض غلط تسلیم کر لیا جائے۔ کہ اہل عرف نے نیت کر لی۔ کہ نوٹ بعینہٖ ثمن خلقی اور بذاتہٖ سونا چاندی ہے۔ تو اُن کی نیت سے وہ کاغذ سے سونا چاندی ہو جائے گا۔ نہ اصطلاحی سے خلقی ان کا اختیار اصطلاح تک ہے۔ تو اُس سے ثمن اصطلاحی ہو گا نہ خلق و آفرینش پر کہ ثمن خلقی ہو جائے۔ لَا تَبْدِیلَ لِخَلْقِ اللہ پھر فرمائیے حدیث کو یہاں سے کیا علاقہ ہوا **قولہ** ولکل امرئ مانوی **اقول**۔ الحمد للہ حدیث کا یہ جملہ تو ہمیں کو مفید ہے۔ آپ کی خاطر سے پہلا باطل یہ تسلیم کر لیں۔ کہ اہل عرف نے وضو کر کے نیت باندھ لی ہے۔ کہ نوٹ بعینہٖ سونا چاندی ہے۔ دوسرا اس سے بڑھ کر اشد باطل۔ یہ مان لیں۔ کہ دیدہ و دانستہ اُن کی اس غلط نیت سے شرع نے بھی اُن کے حق میں اسے سونا چاندی کر دیا۔ تیسرا سخت باطل یہ اوڑھ لیں کہ شرع نے اُسے سونا چاندی مان کر خود سونے چاندی میں جو حکم شرعی تھا کہ تفاضل وزن میں حرام ہے۔ نہ کہ مالیت میں۔ اس زبردستی کے سونے چاندی میں اسے بالکل پلٹ دیا۔ کہ اس میں تفاضل مالیت میں حرام ہے۔

ا؎ القرآن : ۵۸/۲

نہ کہ وزن میں اب تو بالکل سب گڑھتیں آپ کی من مانتی مان لیں۔ مگر الحمدللہ یہی حدیث بتا رہی ہے۔ کہ اب بھی دس روپے کا نوٹ زید وعمر باہم سو روپے کو بیچیں مول لیں۔ خواہ ایک روپیہ کو سب حلال ہے۔ جنابِ من جب یہاں تفاضل کا مبنیٰ مالیت پر ٹھہرا۔ اور نوٹ کی یہ مالیت بھی خلقی نہیں محض اصطلاحی ہے۔ آپ خود فرما چکے ہیں۔ کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں۔ تو اہل عرف ہی کی اصطلاح ونیت نے اسے دس روپے کا کر دیا۔ اور اُن کی اصطلاح ونیت ان دونوں عاقدوں پر حاکم نہیں۔ انہیں اپنی جدا اصطلاح ونیت کا اختیار ہے۔ آپ خود حدیث نقل کرتے ہیں۔ لکل امرئ مانوی ہر شخص کے حق میں اُس کی اپنی نیت کا اعتبار ہے۔ نیز رسالہ کا ص ۳۶ و ص ۳۹ و ص ۴۰ و ص ۴۶ و ص ۴۸ ملاحظہ ہو تو جب زید وعمرو نے اپنے معاملہ میں اس اختیار کی بنا پر جو شرع مطہر نے اُن کو دیا۔ اصطلاح عام کی پیروی نہ کی۔ بلکہ اس سے عدول کر کے جو نوٹ عرف عام نے دس روپے کا ٹھہرایا تھا۔ سو روپے یا ایک ہی روپیہ کا قرار دیا۔ ان پر اصلا ان میں مواخذہ نہیں۔ نہ زنہار مالیت میں کچھ تفاضل ہوا۔ کہ مالیت بر بنائے اصطلاح تھی۔ اُن کے حق میں وہی مالیت ہے۔ جو انہوں نے باہم قرار دے لی اس لئے کہ لکل امرئ ما نوی[1] ہر شخص اور اُس کی نیت۔ حدیث سے اچھا استدلال کرنے چلے کہ اور لینے کے دینے پڑ گئے۔

(لطیفہ جلیلہ[۶۰]) یہ چمکتی ہوئی دلیل جسے مولوی صاحب نے گل سر سبز بنایا۔ اور آخر میں ھذا ما سنح لی فرمایا۔ یعنی یہ وہ ہے جو اچانک میرے خیال میں آیا۔ مولوی صاحب کی اپنی سعی بازو نہیں۔ بلکہ اسی فقیر بارگاہ قدیر غفرلہ کے فتویٰ سے اخذ کی ہے۔ تیس برس ہوئے۔ فقیر کے پاس اس کا سوال آیا تھا۔ کہ نوٹ پر بٹا لگانا مثلاً سو روپے کا نوٹ ننانوے میں خرید لینا جائز ہے یا نہیں۔ فقیر نے نظر فقہی کا مقتضیٰ جواز بتایا۔ اور تنویر الابصار و عامہ کتب سے اس پر استدلال کیا۔ میرا یہ فتویٰ مولوی صاحب کے یہاں

---

[1] صحیح البخاری: باب کیف کان بدؤ الوحی (قدیمی کتب خانہ کراچی) ۱/۲

پہنچا۔ جسے انہوں نے اپنے مجموعہ فتاویٰ میں درج کیا۔ کہ اس کی جلد دوم میں فتویٰ حامئ سنت جناب مولانا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ طبع ہوا۔ اور وہیں سے مجھے ملا۔ کہ اُس وقت تک مجھے اپنے فتاویٰ رکھنے کا التزام نہ تھا۔ اور اسی سے حضرت فاضل رامپوری کا فتویٰ معلوم ہوا۔ جس پر مجموعہ فتاویٰ مولوی لکھنوی صاحب میں نمبر ۱۲۳ ہے۔ اور میرا فتویٰ نمبر ۱۲۴ ہے دونوں میں حکم جواز ہے۔ پھر ایک چار سطری فتویٰ بعض علمائے مدارس کا نمبری ۱۲۵ ہے۔ اس میں بھی جواز ہی کا حکم ہے۔ اس کے متصل نمبر ۱۲۶ میں مولوی صاحب کا یہ فتویٰ ہے۔ جس میں انہوں نے فتویٰ فقیر کے بعض کلمات سے تعرض کیا۔ اور باقی کا کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے اس بنا پر کہ نوٹ بہت جدید حادث ہے۔ کتب فقہیہ میں اس کا ذکر مصرح۔ مگر تمام کتب کا ضابطہ کلیہ حکم جواز بتا رہا ہے۔ حکم لکھ کر اوہام کا جواب دے کر آخر میں ھذا ما ظھر لی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم لکھا تھا۔ مولوی صاحب نے اس بنا پر کہ میرے کلام کا کوئی جواب کتاب نہ دے سکے۔ اپنے مخیلات پر عامل ہوئے۔ آخر میں ھذا ما سنح لی واللہ اعلم بالصواب لکھا۔ یہ دلیل کہ مولوی صاحب کی معتمد ہوئی۔ فقیر نے پہلے ہی اپنے فتویٰ میں بنام وہم لکھ کر رد کر دی تھی۔ مولوی صاحب نے دلیل تو اٹھالی۔ اور رد کے جواب سے عہدہ برائی نہ کی۔ میرے فتوے میں بعد بیان حکم و عبارت کتب تھا۔ مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہو گیا۔ لیکن غیر فقیہ کو ایسی جگہ وہم یہ گزرتا ہے۔ کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کاغذ کا نام ہے۔ مگر عرف و اصطلاح میں گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے۔ اس لئے ہر جگہ روپے کا کام دیتا ہے۔ لین دین میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپے دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا۔ عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے۔ تو گویا وہ سو روپے تھے۔ کہ بعض ننانوے کے خریدے گئے۔ اور اس کی حرمت میں کچھ شبہ نہیں۔ تو صورت مستفسرہ میں حکم تحریم دینا چاہیئے۔ دیکھئے اسی وہم کو مولوی صاحب نے اخذ کیا۔ اور دلیل بنایا جس مضمون کو میں نے چار یا پانچ سطر میں ادا کیا تھا۔ مولوی صاحب نے اُسی کو صفحہ بھر میں پھیلایا۔ مگر افسوس کہ پھر بھی ویسا ادا نہ ہو سکا۔ اوّلاً مولوی صاحب

نے ثمن خلقی سے عینیت لی جس کے تحت میں اجناس داخل۔ اور اس کے سبب جو اعتراضات ہوئے آپ نے سنے۔ میں نے ابتدا ہی سے روپے کی تخصیص کی۔ کہ گویا وہ بعینہ روپیہ ہے۔

ثانیاً۔ مولوی صاحب نے عینیت فی الواقع ثابت مان لی۔ کہ بار بار فرمایا۔ عین ثمن سمجھا جاتا ہے۔ فرمایا عین ثمن خلقی ہے۔ اس پر جو اعتراضات قاہرہ وارد ہوئے ناظرین کے پیش نظر ہیں۔ فقیر نے انہیں کے انسداد کو لفظ با زائد کر دیا تھا۔ کہ گویا بعینہ روپیہ ہے گویا وہ سو روپے تھے۔

ثالثاً۔ مولوی صاحب نے اہل عرف کے سر یہ تھوپا۔ کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔ جس کا رد سُن چکے۔ میں نے اُسے ان لفظوں میں ادا کیا تھا۔ کہ عموماً اُس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے۔ جس سے وہ اعتراض کہ بر بنائے لفظ احکام وارد ہے۔ وارد نہ ہوا۔ ہاں میں نے غیر فقیہ کے لئے بھی یہ وہم پسند نہ کیا تھا کہ نوٹ بیچنے میں اس کی قیمت لینی مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ سو روپے بیچنا اور روپیوں کی قیمت لینا منظور ہوتا ہے۔ یہ خاص مولوی صاحب کا حصّہ ہے۔ اس کے اعتبار سے اُن کا ماسبق لی فرمانا بجا ہے۔ لکل ساقطۃ لاقطۃ۔ اب جواب کی طرف چلئے۔ فقیر نے دفع دخل کے لئے وہ وہم ذکر کر کے لکھا۔ مگر جسے فن فقہ شریف میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہایت آسان ہے (پھر مال کی چاروں قسمیں جو رسالہ کے صـ ۴۱ سے صـ ۴۵ تک گزریں بیان کر کے لکھا) نوٹ کے ساتھ اگر معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو غایت درجہ قسم رابع سے قرار پائے گا۔ کہ اصل خلقت میں سلع ہے۔ مگر بسبب تعارف ثمن ٹھہرا ہوا ہے۔ اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا سیم و زر کے کچھ نہیں۔ لہذا اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں۔ تو ناچار اس کی تقدیر اثمان خلقیہ ہی سے کریں گے۔ اس لئے پیسوں کی مالیت یوہیں بتائی جاتی ہے۔ کہ روپے کے سولہ آنے پس جب نوٹ کو عرفاً ثمن کرنا چاہا اس کے اندازہ میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی۔ اور یوں ٹھہرایا گیا۔ کہ فلاں نوٹ سو روپے کا۔ فلاں دو سو کا۔ فلاں ہزار کا۔ مگر یہ صرف

تقدیر ہی تقدیر ہے۔ اس سے اتحادِ جنس و قدر ہرگز لازم نہیں آتا۔ جیسے اندازۂ فلوس سے چونسٹھ پیسے روپے کا عین نہ ہو گئے۔ یونہی اس قرارداد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہو جائے گا۔ پس علتِ ربا کا تحقق ممکن نہیں۔ باقی رہا عرف و اصطلاح اس کا اتباع عاقدین پر بایں معنی ضرور نہیں کہ جو قیمت انہوں نے ٹھہرا دی ہے۔ یہ اُس سے کم و بیش نہ کر سکیں۔ یہ دونوں اپنے معاملہ میں مختار ہیں۔ چاہیں سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچ ڈالیں۔ یا ہزار اشرفی کو خرید لیں۔ صرف تراضی درکار ہے وبس امام علامہ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔ لو باع[1] کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ الخ۔ (اگر کاغذ کے ایک ٹکڑے کو ایک ہزار میں فروخت کر دیے تو بغیر کراہت جائز ہے) آخر نہ دیکھا ایک روپے کے پیسے بتعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علماء نے اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے بیچنا روا رکھا۔ اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے۔ لیکن فقہاء نے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھہرایا۔ تو وجہ کیا ہے۔ وہی اختلاف جنس کے تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا، پھر ان مسائل کے ثبوت میں درمختار کی عبارتیں لکھ کر کہا، جب یہاں تک شرعاً جائز رہا۔ تو سو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے۔ کہ یہاں تو نہ قدر متحد نہ جنس واحد الیٰ اخرہٖ یہ ہے بحمد اللہ تعالیٰ وہ نفیس منیر تقریر کہ بنگاہِ اوّلیں قلب فقیر پر فیض قدیر سے فائض ہوئی۔ تمام رسالہ گویا اسی کی شرح اسی کے اجمال کی تفصیل ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔ میرے بیان کا حاصل چند امر تھے۔ (۱) نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں (۲) اُن میں قدر مشترک نہیں (۳) نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملۂ اثمان برتنا اُسے ثمن اصطلاحی کرے گا نہ کہ خلقی (۴) روپیوں سے اندازۂ قیمت نے اسے روپے نہ کر دیا۔ ہر اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوتا ہے جیسے پیسے۔ (۵) اصطلاح کی پیروی عاقدین پر نہیں۔ وہ اپنی تراضی سے جو چاہیں کم و بیش کریں۔ (۶) علماء نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچنا جائز فرمایا (۷) پیسوں

[1] ردالمحتار - مطلب بیع العینۃ (مصطفی البابی مصر) ۴/۳۱۰

میں اصطلاح عام کی مخالفت جائز فرمائی (۸) خود ثمن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی۔ کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچیں۔ مولوی صاحب نے اوّلاً بہم کے جواب کو وہی وہم سیکھا جیسے لفظ گویا اڑا کر بالکل کھویا۔ مگر دوم سے کچھ تعرض نہ کیا۔ شاید اپنے زعم میں عینیت عرفیہ فی الاحکام کہتے کہتے عینیت حقیقۃ فی الاجسام سمجھ لئے ہوں۔ یعنی ہم نے کاغذ کو پیٹ پاٹ کر چاندی سونا تو کر دیا۔ پھر اتحاد قدر کیوں نہ ہوگا۔ کہ شے اپنے نفس سے مختلف نہیں ہو سکتی۔

ثانیاً۔ ادعائے عینیت پر وہی وہم والی ایک دلیل لائے۔ کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔ اور آخر فتوے میں اتنا اور بڑھائیں گے۔ کہ اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے۔ اسی کو میں نے ان صحیح و مختصر الفاظ سے تعبیر کیا تھا کہ عموماً اسی کے ساتھ معاملۂ اثمان برتا جاتا ہے۔ میں نے امر سوم میں جو اس کاغذ کا رد کیا تھا۔ کہ اس سے ثمن اصطلاحی ہوا نہ خلقی۔ اس کا جواب غائب۔

ثالثاً۔ اس پر دوسری دلیل بھی وہی وہم والی لائے۔ جسے بگھوں میں پھیلایا۔ اور بات اتنی ہی ہے۔ جو میں نے لکھی۔ کہ لین دین میں سو کا نوٹ اور سو روپے دینے میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا۔ اور میں نے امر چہارم میں جو اس کا رد کیا۔ کہ عرف نے اسے ثمن بنایا۔ اور اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوگا۔ لہٰذا اس نوٹ کا اندازہ سو سے کیا۔ اور سو روپے کی جگہ کام آیا۔ جیسے سولہ آنوں کا اندازہ روپے سے کیا۔ اور روپے کی جگہ کام آئے۔ نہ یہ کہ نوٹ یا پیسے روپے کا عین ہو گئے۔ اس کا جواب غائب۔

رابعاً۔ امر پنجم میں جو میں نے ایک عظیم قاہر رد کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جو سب کچھ مسلّم ٹھہرا کر لگی نہ رکھی جس کا بیان ابھی ص میں گزرا۔ اور جس پر نصوص جلیلہ کتب مذہب اور خود قرآن و عظیم احادیث نبی کریم علیہ وعلی الہ افضل الصلاۃ والتسلیم شاہد۔ اس کا جواب غائب۔

خامساً۔ تین امر باقی کہ میں نے اسی امر پنجم کے نظائر دکھائے تھے۔ ان میں بھی امر ہشتم یعنی روپے اشرفی کی کرّی مثال کا جواب غائب۔ اور ہفتم کے جواب کی خدمت گزاری

سُن چکے۔ اور ششم کا جو مزہ دار جواب سب میں آخر دیا ہے۔ اس کا لطف انشاءاللہ تعالیٰ عنقریب اٹھائیے گا۔ غرض آٹھ باتوں میں پانچ کا جواب کچھ نہ دیا۔ اور تین کا جواب وہ دیا۔ کہ نہ دینا اس سے ہزار جگہ بہتر تھا۔

الحمدللہ اہلِ انصاف ملاحظہ فرمائیں گستاخی معاف وہ اجلّۂ اکابر فضلاء کہ آئمہ مجتہدین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال کو پر کھنے کا اِدّعا رکھیں۔ کہ قال ابوحنیفۃ کذا والحق کذا۔ ابوحنیفہ نے یوں کہا۔ اور حق یوں ہے۔ استدلوا لابی حنیفۃ بوجوہ والکل باطل ابوحنیفہ کے لئے متعدد دلائل بیان کئے گئے۔ اور سب باطل ہیں ھھنا وھم اخر لصاحب الکتاب۔ یہاں اس کتاب والے (یعنی سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا ایک اور وہم ہے۔ ایسے گرامایہ اجتہاد پایہ حضرات کسی مسئلہ میں ابوحنیفہ کے گدایانِ در کے غلامانِ غلام کی خاکِ پا کے زلہ رباؤں کے ادنیٰ خوشہ چین سے خلاف کریں۔ تو اپنے لئے دلیل اُسی سے سیکھ کر لکھیں۔ اور وہ بھی جس روش پر اُس نے ادا کی۔ ادا نہ کر سکیں۔ پھر اُس نے جو اُس کے جواب دیئے اُن سے عہدہ بر آنہ ہوں۔ اس کے کلام کے مقاصد و فوائد تک نہ پہنچیں۔ اکثر سے سکوت کریں۔ اور بعض کا جواب محض ناصواب دیں۔ طولانی تحریر فرمائیں جس کا فقرہ فقرہ جملہ جملہ والکل باطل کے گہرے رنگ میں رنگا ہو۔ ایک ایک لفظ ایک ایک حرف پر ھھنا وھم اخر کا ڈیرا پڑا ہو۔ یہ امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ نائل العلم من الثریا ابوحنیفہ اور ان کے چھوٹے بیٹے امام ربانی محرر المذہب محمد بن الحسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کرامت نہیں تو کیا ہے۔ حاشا میں اس سے مولوی صاحب کی کسرِ شان نہیں چاہتا۔ وہ ایک وسیع الباع طویل الذراع فاضل طباع ہیں۔ اور فقیر حقیر ایک غریب طالب علم قاصر القدرۃ قلیل المقدور اپنے مولائے کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی بشارت عظیم فطوبی للغرباء کا بلا استحقاق محض اُن کے فضل سے امیدوار بلکہ مقصود اپنے ائمہ کرام کی کرامت عالیہ کا اظہار ہے۔

وبس الٰہی تیری بے شمار رضائیں ابوحنیفہ پر۔ اور اُن سب پر جو عقائد میں اُن کے موافق ہو کر اعمال میں اُن کے مقلد ہیں۔ یوہیں بقیہ ائمہ مجتہدین کرام اور اُن کے ایسے ہی مقلدوں

پر تا روز قیام وعلی حبیبنا وشفیعنا افضل الصلاۃ والسلام۔

تنبیہ۔ اتنا ملحوظ رہے کہ میدان بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھ ہے۔ مقاصدِ بحث پر ہمارے سب اعتراض حق ولاجواب ہیں۔ اور بعض کہ بیان مولوی صاحب پر ہیں۔ اگر اہل تاویل تبدیل وتحویل کریں۔ تو بعد ورود اعتراض تسلیم اعتراض ہے۔ کاش مولوی صاحب اس شبہ کا بیان ہم سے کرا لیتے۔ تو بہت یادی چھنٹ جاتی۔ اور ہمارے قلم کو بھی آرام ملتا۔ کہ رد میں ایک مختصر سا کلام ہوتا۔ اور کوئی آپ کو یہ بھی نہ کہتا کہ کہا اور کہہ نہ پایا۔ مگر مولوی صاحب کی عنایات نے وسعت دکھائی۔ کہ یہاں تک نوبت آئی۔ بہرحال ہمیں ہر طرح نفع ہے وللہ الحمد۔

تسجیل جلیل۔ چلتے وقت سب سے بھاری خود اپنی دھوم دھامی گواہی لیتے جائیے کہ نوٹ اور روپوں میں ربا ممکن ہی نہیں۔ آپ کے فتاوے کی تیسری جلد جس کے سوالات خود آپ نے پیدا کر کے اُن کے جواب لکھے۔ اور اُن میں دو جلدیں پیشین کے اغلاط کی جابجا اصلاح کی۔ جیسا کہ ناظرین پر مخفی نہیں۔ اسی کے باب الربا کا پہلا سوال جواب دیکھئے۔ جس میں آپ نے ربا کی تعریف لکھی ہے۔ اور دل ہی دل میں انصاف کر لیجئے۔ کہ یہ تعریف مسئلہ نوٹ میں کیونکر صادق آسکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔ سوال۔ ربا چیست؟ جواب فضل احد المتجانسین کیلاً یا وزناً بر دیگرے در معاوضۂ مالیہ بلاعوض۔ در بحرالرائق می آمد۔ ولیس المراد مطلق الفضل بالاجماع فان فتح الاسواق فی سائر بلاد المسلمین للاستفضال والاسترباح وانما المراد فضل مخصوص وھو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال ای فضل احد المتجانسین علی الآخر بالمعیار الشرعی ای الکیل والوزن[۱] انتھی (سوال: سود کیا ہے؟ جواب: دو ہم جنس چیزوں میں سے ایک کی زیادتی دوسری پر خواہ وہ زیادتی وزن کے اعتبار سے ہو یا ناپ کے لحاظ سے اور وہ زیادتی بغیر عوض کے ہو۔ بحرالرائق میں موجود ہے کہ بالاجماع مطلق زیادتی مراد نہیں ہے۔

---

[۱] بحرالرائق، باب الربا (سعید کمپنی کراچی) ۶/۱۲۴

کیونکہ تمام اسلامی ممالک میں زیادتی اور منافع کے حصول کے لئے بازار کھولے گئے ہیں۔ اور بے شک مراد خاص زیادتی ہے۔ اور وہ مال کی زیادتی مال کے عوض کے بغیر ہے۔ یعنی دو ہم جنس چیزوں میں سے ایک کی زیادتی معیار شرعی کے ساتھ یعنی وزن یا ناپ کے ساتھ۔ الخ) دیکھئے کیسی کھلی تصریح ہے۔ کہ ہر زیادت سود نہیں بازملہ کھلے ہی اس لئے ہیں کہ زیادت ملے۔ نفع ہاتھ لگے۔ بلکہ سود ہونے کو ضرور ہے۔ کہ دو متحد الجنس چیزوں میں کہ دونوں وزنی یا دونوں کیلی ہوں۔ کہ تول یا ناپ سے بکتی ہوں۔ ایک دوسری سے خاص اُسی ناپ یا وزن میں زائد ہو۔ اس کے سوا کسی اور بات میں زیادتی کا یہاں لحاظ نہیں۔ بے شک ہمارے علماء کے اجماع سے ربا کی یہی تعریف ہے۔ شکر ہے کہ اس کے آپ بھی مقر ہوئے۔ اور والکل باطل نہ فرمادیا۔ مگر اس اقرار نے اس تقریر کو والکل باطل بنادیا۔ نوٹ اور روپے سرے سے ایک جنس ہی نہیں۔ بچہ بھی جانے گا کہ چاندی اور کاغذ ایک جنس نہیں ہوسکتے۔ اور بفرض باطل مجانست سہی۔ تو نوٹ تول کر نہیں بکتا۔ اور اگر تول بھی موجود ہو۔ تو سو کا نوٹ سو کو بیچنا بھی قطعی سود ہو۔ کہ سو روپے بلاشبہ تول میں نوٹ سے کہیں زائد ہیں۔ اور آپ اسی کو واجب کر رہے ہیں۔ تو آپ نے سود نہ صرف حلال بلکہ واجب کر دیا۔ تو مفر وہی ہے۔ کہ نوٹ اور روپیہ ایک جنس نہیں۔ یا تول نہیں۔ یا دونوں نہیں۔ بہرحال آپ ہی کے اقرار سے کھل گیا۔ کہ چاہے دس کا نوٹ لاکھ روپے کو بیچئے۔ یہاں ربا آہی نہیں سکتا۔ کہ یہ اس کی تعریف ہی میں داخل نہیں۔ وھوالمقصود۔ **قولہٗ**۔ اور اگر اس میں ربا حقیقۃً نہ ہو۔ تو شبہ ربا سے تو مفر نہیں۔ اور تمام کتبِ فقہ میں مرقوم ہے کہ شبہۂ ربا باعثِ حرمت ہے۔

اقول اوّلاً۔ یہ مولوی صاحب کا دوسرا پہلو ہے۔ خود بھی سمجھے کہ یہاں ربا کی گاڑی چلتی نظر نہیں آتی۔ لہذا شبہ کے ٹیلے کی طرف جھکے۔ مگر کیوں مفر نہیں۔ اس کا ثبوت فی البطن۔ مولوی صاحب کو اوّلاً منقح کرنا تھا۔ کہ شبۂ ربا کا مناط یہ ہے۔ جہاں یہ پایا جائے شبہ متحقق ہوگا۔ مولوی صاحب کو اوّلاً منقح کرنا تھا کہ شبۂ ربا کا مناط یہ ہے جہاں یہ پایا جائے شبہ متحقق ہوگا۔ **ثانیاً** اِدھر اُدھر خوب جھانک لینا تھا۔ کہ تصریحاتِ ائمہ سے اس پر نقض تو نہیں پڑتا۔ کہ تنقیح کا تنقیہ کر دے۔ ظاہر ہے کہ نوٹ میں تحققِ شُبہ منصوص

نہیں۔ کہ تقلیداً حکم مان لینا پڑے۔ اگرچہ دلیل پر ہمارے فہم میں ہزار شبے ہوں۔ ہم حکم کے مقلد ہیں نہ کہ دلیل کے منتقد۔ بہت دلائل علمائے متاخرین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اپنے فہم سے استنباط فرمائے ہیں۔ ان میں کسی دلیل کا تزلزل حکم کا بطلان نہیں۔ ممکن کہ مجتہد کے پاس اور دلیل ہو۔ اور یہاں تو آپ کو خود اثبات حکم کرنا ہے۔ تو جب تک مناط کامل طور پر مضبوط اور تمام نقوض وشبہات سے منزہ نہ کرلیجئے نرا زبانی قیاس محض وسواس۔ ثالثاً اس سب کے بعد یہ ثبوت دینا تھا کہ وہ مناط نوٹ میں متحقق۔ اس وقت آپ کا فرمانا ناقابل سماعت ہوتا۔ اور خالی دعویٰ تو یاد رہا ہے۔

ثانیاً۔ اپنی جلد سوم باب الربا کا فتویٰ یاد کیجئے کہ چھٹانک بھر گیہوں ہوا سیر گیہوں کے عوض بیچنا آپ نے جائز مانا۔ یوہیں ایک سیب دو سیب کو یہاں تو جنس یقیناً متحد تھی۔ اور زیادتی بداہۃً معلوم۔ یہاں شبہۂ ربا کیوں نہ جانا آپ کی عبارت یہ ہے۔ سوال: بیع یک سیب عوض دو سیب یا بیع یک مشت گندم عوض دو مشت گندم جائزست یا نہ۔ جواب: جائزست چہ معیار شرعی نصف صاع ست نہ کم ازاں پس در کم از نصف صاع تفاضل درست۔ در عالمگیریہ می آرد۔ و یجوز بیع الحفنۃ بالحفنتین و التفاحۃ بالتفاحتین ومادون نصف الصاع فی حکم الحفنۃ[1]۔ انتہی (سوال: ایک سیب کی بیع دو سیبوں کے بدلے یا ایک مٹھی گندم دو مٹھی گندم کے بدلے جائز ہے؟ جواب: جائز ہے۔ اس لئے کہ معیار شرعی آدھا صاع ہے نہ کہ اس سے کم۔ پس نصف کے کم میں زیادتی صحیح ہے۔ عالمگیری میں ہے کہ ایک مٹھی کی بیع دو مٹھیوں کے ساتھ اور ایک سیب کی دو سیبوں کے ساتھ جائز ہے۔ اور جو چیز نصف صاع سے کم ہو وہ مٹھی کے حکم میں ہے۔ آخر تک) ثالثاً۔ رسالہ ص ۶۵ پر بحر الرائق کا ارشاد دیکھئے کہ ایک پیسہ سو پیسے کو بیچنا جائز۔ یہاں بھی اتحاد جنس قطعی اور زیادت بدیہی۔ پھر شبہۂ ربا کیوں نہ ہوا۔ رابعاً۔ آپ کو اگر کاغذ اور چاندی کا دو جنس ہونا نہ معلوم ہو۔ تو انہیں اہل عرف سے پوچھ دیکھئے جن پر

---

[1] فتاوی ہندیہ: الفصل السادس فی تفسیر الربا (پشاور) ۳/۱۱۷

آپ کے خیال کا سارا دار و مدار ہے۔ کہ وہ جس طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ اشرفی پندرہ کی ہے یہ بیس کی۔ یہ پیسے اٹھنی کے ہیں۔ یہ چوانی کے۔ یہ نہیں کہتے۔ کہ یہ اشرفی پندرہ روپے ہے یہ پیسے اٹھنی چوانی ہیں۔ اسی طرح یوں کہتے ہیں۔ کہ یہ نوٹ دس کا ہے یہ سو کا یہ نہیں کہتے کہ یہ نوٹ دس روپے ہے۔ یہ سو روپے ہے۔ خود آپ نے فرمایا ہے۔ کہ نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کر دے اور فرمایا سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے۔ اور فرمایا نوٹ سو روپے کا دیوے۔ اتحاد جنس کا نشہ اُتار کر وہ مسائل یاد کیجیے جو ائمہ کرام نے فرمائے کہ:

(۱) ایک روپیہ ایک اشرفی بلکہ سو اشرفیوں کو بیچنا جائز ص۴۶ (۲) ایک پیسہ ایک روپیہ بلکہ ہزار روپیوں کو بیچنا جائز ص۶۳ و ص۷۲ (۳) ایک اشرفی ایک پیسہ کو خریدنے میں نہ ربا ہے نہ شبہ ربا ص۷۲، —— ان میں شبہ ربا کیوں نہ ہوا۔

خامسًا۔ بتصریح ائمہ یہاں شبہ علت مثل علت اور حکم علت لازم علت۔ تو یہاں۔ یا شبہ علت بہرحال لزوم حکم علت اور حکم علت تحریم تفاضل فی القدر ہے۔ تو آپ سو کو بیچنا جائز کر رہے ہیں۔ صراحۃً سود حلال کر رہے ہیں۔ **قولہ۔** علاوہ ازیں جو بیع و شرائے نوٹ میں تفاضل اختیار کرے گا۔ مقصود اس کو بجز اس کے کہ بعوض کم روپے کے زیادہ روپے حاصل ہو جائیں۔ اور کچھ نہ ہوگا۔ مگر بطور حیلہ کہ وہ نوٹ کا معاملہ کرے گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے ارتکاب حیلہ حکم حلت کا نہیں ہو سکتا۔

اقول۔ اوّلاً قصور معاف ط مستی از بادہ شبانہ ہنوز ۔ بعوض کم روپے کے کہنا باطل ہے۔

مولوی صاحب کی تیسری کروٹ

نوٹ والے کی طرف سے تو نوٹ ہے۔ روپیہ ایک بھی نہیں نہ کم نہ زائد۔ ہاں یوں کہیے کہ کم روپیوں کا مال دے کر زیادہ روپے حاصل کرنا۔ ہاں یہ بیشک مقصود ہے پھر اس میں کیا گناہ ہے۔ دنیا بھر کی تجارتیں اسی لئے ہوتی ہیں۔ آپ خود جلد ۳ میں بحر الرائق سے نقل کر چکے ہیں کہ مطلقًا زیادتی بالاجماع حرام نہیں۔ تمام جہان میں بازار اسی لئے کھولے گئے

ہیں کہ زیادتی ملے نفع حاصل ہو۔

ثانیاً۔ آپ کے علاوہ ازیں کہہ رہی ہے کہ اب ربا و شبۂ ربا دونوں سے قطع نظر فرما کر یہ تیسرا پہلو لیا ہے کہ اگرچہ یہاں ربا سے کچھ علاقہ نہ ہو، ربا تو ربا اس کا شبہ بھی نہ ہو۔ مگر اس نے زیادہ ملنے کا حیلہ کیا ہے اس لئے "زبردستی" حرام ہے۔ اب فرمائیے۔ اگر زید عمرو سے سو روپے قرض مانگے عمرو کاغذ کا ایک سادہ پرچہ اس کے ہاتھ مثلاً سال بھر کے وعدہ پر یا نقد پچیس روپے کو بیچے وہ قبول کرلے پھر عمرو سو روپے زید کو قرض دے اور قرض کے بدلے سو کے سو ہی لے پچیس اپنے اس کاغذ کے جدا لازم کرے۔ تو اس میں حرکت کدھر سے آئے گی؟ اس لئے کہ کاغذ کا سادہ پرچہ پچیس روپے کو بیچا۔ تو آپ تو ابھی فرمانے والے ہیں۔ کہ سادہ پرچہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ہے۔ پچیس کو کیوں حرام ہوا؟ یا اس لئے کہ اُس نے اس فعل سے نفع حاصل کرنا چاہا۔ تو وہ صورت بتائیے۔ کہ کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے۔ اور نفع لینا نہ ہو۔ یا اس لئے کہ قرض پر نفع لیتا ہے۔ قرض میں تو وہ پورے سو کے سو لے رہا ہے۔ اس پر نفع کہاں۔ اس لئے کہ یہ نفع بسبب قرض ہے۔ تو قرض تو اس وقت تک دیا بھی نہیں۔ سبب کہاں سے متحقق ہوا۔ یا اس لئے کہ اُن کے دل میں تو آئندہ قرض لینے دینے کی نیت ہے۔ تو اس کا ثبوت شرع سے دیجئے۔ کہ آئندہ سال قرض کا لین دین ہونے والا ہو۔ تو آج بیع پر نفع لینا حرام ہو جائے۔ وہ بیع کہ بلا شبہ حلال تھی۔ حکم تحریم پائے۔ حالانکہ یہاں تو آئندہ لین دین ہونا بھی معلوم نہیں۔ آئندہ غیب ہے۔ اور غیب مجہول۔ اور انسانی ارادہ ممکن التخلف۔ نکاح میں کہے کہ میں نے تجھے مہینہ بھر یا دس برس بلکہ سو برس کے لئے اپنے نکاح میں لیا۔ تو ناجائز و حرام۔ اور اگر نکاح کرے۔ اور ارادہ صرف مہینہ بھر یا ایک ہی دن رکھنے کا ہو۔ تو بیشک حلال۔

ثالثاً۔ صہ ۸ پر وہ تصریحات ائمہ کرام مثل امام شمس الائمہ حلوانی و امام شمس الائمہ بزدنجری و امام بکر خواہرزادہ و بحر الرائق و رد المحتار وغیرہا یاد کیجئے۔ کہ پہلے بیع کر کے پھر قرض کا لین دین کریں تو ہمارے ائمہ مذہب امام اعظم امام ابو یوسف امام محمد رضی اللہ

تعالیٰ عنہم سب کے نزدیک بالاتفاق بلا کراہت جائز وحلال ہے۔ کہئے یہ کیوں حلال ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اُس نے زیادہ لینے ہی کے لئے بطور حیلہ کیا۔

رابعًا۔ اپنی یاد کیجئے جلد دوم فتوی نمبری ۴۴ میں حکم تھا کہ گیہوں قرضوں نرخ بازار سے کم کو بیچنا جائز ہے۔ اس پر سائل نے شبہ کیا تھا۔ کہ یہاں ربا نہیں تو شبہ تو ہے اور شبہ بھی مثل حقیقت حرام۔ اُس کا آپ نے جواب فرمایا۔ کہ خدشہ ربا کا یوں مدفوع ہے کہ گندم وغیرہ اقسام غلہ بعوض دراہم ودنانیر کے فروخت کرنے میں ربا نہیں ہے۔ اور نہ شبۂ ربا۔ اگر دو سیر گیہوں کہ بازار میں مثلاً دو آنے کو ملتا ہے۔ کوئی شخص بعوض ایک روپیہ نقد بیچے۔ تو بھی درست ہے۔ ایسے ہی اگر نسیہ میں قیمت بڑھائے۔ اور مشتری راضی ہو جائے۔ تب بھی درست ہے۔

اقول یہ "اب بھی تب بھی" فقط اٹھ گنی قیمت تک حلال ہے یا بلا قید۔ بر تقدیر اول کیا دلیل شرعی ہے کہ ۲ر کے گیہوں ایک روپے کو بیچنا حلال۔ اور دو یا دس یا سو کو بیچنا حرام۔ "چوں آب از سر گذشت چہ یک نیزہ چہ یک دست" بر تقدیر ثانی ہر عاقل جانتا ہے۔ کہ کوئی ذی عقل دو آنے کے گیہوں سو روپے کو بلکہ انصافًا ایک روپے کو بھی ہرگز خریدنے نہ بیٹھے گا۔ جب تک کوئی دباؤ نہ ہو۔ اور بیچنے والا ۲ر کا مال دے کر سو روپے لینے میں ضرور براہ حیلہ زیادہ ستانی ہی چاہے گا۔ پھر ربا وشبۂ ربا نہ سہی جیسا کہ اب آپ کو اس تیسرے پہلو پر نوٹ میں بھی ملحوظ نہیں۔ مگر معاملہ حیلہ کے سبب حکم حرمت آنا لازم تھا۔

خامسًا۔ (۸۰ تا ۸۵) وہ چھ حیلے یاد کیجئے۔ جو ائمہ کرام نے ارشاد فرمائے۔ اور رسالہ کے صـ۸۰ سے صـ۸۲ تک گزرے۔ یہاں ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کیسے ہو گیا۔

سادسًا۔ یہی چھ کیا ہزارہا حیل ہیں جن کی تصریحات جلیلہ کلمات ائمہ میں مذکور۔ اگر ان کو جمع کیجئے۔ تو آپ کی اس جلد بھر سے زیادہ ہوں گے۔ سردست عالمگیری کی کتاب الحیل ہی ملاحظہ ہو کہ ساری کی ساری کتاب اسی میں ہے۔

سابعًا۔ آپ خود اپنی ہی نہ کہئے سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موطا میں روایت

فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خرما خرما برابر کر کے بیچو۔ اس پر عرض کی گئی کہ یارسول اللہ! خیبر پر حضور کے صوبہ تو دو صاع کو ایک صاع میں لیتے ہیں۔ ارشاد ہوا انہیں بلاؤ۔ وہ حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا نہ کرو۔ عرض کی یارسول اللہ وہ قسم جمع کی دو ہی صاع کو خبیب کی ایک صاع بیچتے ہیں۔ یعنی برابر کو مل ہی نہیں سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بع الجمع بالدراھم واشتر بالدراھم جنیبا[۱]۔ یہ قسم روپوں سے بیچ کر وہ قسم روپوں سے خرید لے۔ اس پر آپ حاشیہ لکھتے ہیں: علمہ صورۃ لا تدخل فیہ الربا مع حصول المقصود[۲]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو وہ صورت سکھادی۔ جس میں ربا نہ آنے پائے۔ اور مطلب حاصل ہو جائے۔ جنابِ من اسی کا نام تو حیلۂ شرعیہ ہے۔ پھر اُس سے حکم حلت نہ ہو سکنا کیا معنی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ بات بتا رہے ہیں جس سے حلت نہ حاصل ہو۔ حرام کا حرام رہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

ثامناً اس کے متصل امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسعید خدری وابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ حدیث روایت فرمائی جو رسالہ کے صـــ پر گزری۔ اس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی حیلہ تعلیم فرمایا ہے۔ جس پر آپ نے خود حاشیہ لکھا کہ: اشار الیہ بما یجتنب بہ عن الربا مع حصول المقصود[۳] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ایسی بات کا اشارہ فرمایا۔ جس سے ربا بچ جائے۔ اور مطلب ہاتھ آئے۔ سیدنا امام محمد نے یہ حدیثیں روایت کر کے فرمایا: بھذا کلہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقہائنا[۴]۔ (یہ سب باتیں ہماری مختار ہیں اور یہی قول امام اعظم

---

[۱] موطا امام محمد : باب الربا فیما یکال او یوزن (نور محمد کتب خانہ کراچی) صـــ ۳۵۳

[۲] حاشیہ لکھنوی : مؤطا امام محمد " " " " صـــ ۳۵۳

[۳] " " " " " " صـــ ۳۵۴

[۴] موطا امام محمد : باب الربا فیما یکال او یوزن (نور محمد کتب خانہ کراچی) صـــ ۳۵۴

ابو حنیفہ اور ہمارے سب فقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے) رہا حاشیہ میں آپ کا فرمانا کہ حنفیہ وغیرہم نے اس سے جوازِ حیلہ پر استدلال کیا۔ اور حق یہ کہ ایسی جگہ اعتبار نیت کا ہے۔

اقول اوّلاً۔ یہاں کی کیا تخصیص ہے۔ سبھی جگہ اعتبار نیت کا ہے۔ بایں معنی کہ بدنیت فاسد ارادے سے جو کام کیا جائے گا۔ ممنوع ہوگا۔ حیلہ تو حیلہ اگر بدنیت سے نماز پڑھے تو وہ بھی حرام ہے ؎

کلیدِ درِ دوزخ ست آں نماز　　　　که در چشمِ مردم گزاری دراز

(وہ نماز جہنم کے دروازے کی چابی ہے، جو لوگوں کو دکھانے کے لئے لمبی کر کے پڑھی جائے)

ثانیاً۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلیم فرما رہے ہیں۔ جس کا خود آپ نے اقرار کیا۔ تمام ائمہ مذہب اس پر عمل فرما رہے ہیں جس کا امام محمد نے اظہار کیا۔ اب یہ آپکی الحق اگر اس کے موافق ہے (چشمِ ماروشن دلِ ماشاد) اور اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد اور ائمہ مذہب کے اتفاق کے خلاف کچھ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چُننی چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ظاہر عبارت ہے۔ تو وہ آپ ہی کو مبارک ہے۔ اہلِ حق کے نزدیک بجَوے نیَرزَد۔

ثالثاً۔ آپ نے کچھ کھولی نہیں کہ کیا نیت ہو۔ تو حیلہ جائز۔ اور کیا ہو۔ تو ناجائز۔ اگر یہ مقصود کہ بیع میں مبادلۂ دراہم صرف برائے نام ہو۔ نہ یہ قسم خرما دراہم سے بیچنی مقصود ہو۔ نہ وہ قسم دراہم سے خریدنی۔ بلکہ منظور انہیں دو قسم کا باہم مبادلہ ہو اور ذکر دراہم بیع تلجیہ کے طور پر محض اسم فرضی۔ تو یہ ضرور صحیح ہے مگر امام اعظم و امام محمد و جملہ ائمہ مذہب نے معاذ اللہ اسے کب جائز کیا تھا۔ حضرت وہ تو حیلۂ شرعیہ کو جائز فرما رہے ہیں۔ جس کی خود آپ کے اقرار سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم دی۔ یہ ناپاک حرکت حیلۂ شرعیہ ہی کب ہوئی۔ بلکہ قصداً شرع کی مخالفت اور صورۃً عالم الغیب کو دھوکہ دینا۔ پھر آپنے مذہب جملہ ائمہ مذہب کے مقابل اپنی والحق کی الگ چنائی کاہے پر چنی۔ اور اگر یہ مقصود کہ

اگرچہ یہ قسم روپیوں سے بیچ کر وہ قسم روپیوں سے خریدنی مقصود ہو۔ مگر اس فعل پر باعث وہی غرض ہو کہ یہ قسم ہمارے ملک سے خارج ہو کر وہ قسم داخل ہو جائے۔ اسے ناجائز کہتے ہو۔ تو قصور معاف۔ یہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اصلاح دیتی ہے۔ ابو حنیفہ وغیرہ ائمہ تو درکنار رہے۔ ظاہر ہے کہ اسی غرض کی تحصیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا۔ خود حدیث صحیح مسلم و صحیح بخاری سے صـ۸۳ پر گزرا۔ کہ جب تو مول لینا چاہے۔ تو یوں کر۔ حدیث کی نہ سنیئے۔ اپنی ہی دونوں جگہ لفظ دیکھئے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ صورت سکھا دی جس میں ربا سے بچ جائے اور مقصود حاصل ہو جائے۔ کہئے۔ تو وہ کیا مقصود تھا۔ جس کا حاصل کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمایا۔ اس کے بعد جو آپ نے امام اعظم و امام محمد و ائمہ مذہب کے رد میں ابن قیم گمراہ کی ایک نقل اس کے استاذ ابن تیمیہ بد مذہب سے ذکر کی ہے۔ اس کا ایک ایک حرف ہذیان یا مجنون کی بڑ ہے۔ آپ خود اس کے بعد اتنا لکھ گئے۔ کہ یہاں طویل بحثیں ہیں۔ کہ مبسوط کتابوں میں ملیں گی۔ جس سے آپ کو کہنے کی گنجائش رہی۔ کہ میں نے اس نقل کو مقبول نہ رکھا۔ لہٰذا ہم بھی اس کے رد سے تطویل نہ کریں۔ کہ یہاں تو غرض آپ سے مکالمہ ہے۔

تاسعًا۔ جانے دیجئے۔ آپ گول ہی رہیں۔ اور نیت کا پردہ نہ کھولیں۔ اتنا تو آپ کے بیان سے بھی ثابت ہوا۔ کہ حیلہ نیک نیت سے حلال ہے۔ جناب من! پھر یہاں یہ مطلق جبروتی حکم کیسا۔ کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت نہیں ہو سکتا۔ **قولہ**۔ تہذیب الایمان میں ہے۔ **اقول**۔ مولوی صاحب عجب ہے کہ آپ جیسا محقق جو اتنے اعلیٰ پائے پر ہو کہ ائمہ مجتہدین کی جانچ پڑتال کرے۔ اُن کا حق و باطل نکالے۔ وہ اور مسائل شرعیہ کے لئے سند لانے میں ایسا گرے۔ کہ مجاہیل وبے قدر وبے وقعت زید عمرو سب سے استنساد کرے۔ کہیں آپ مجالس الابرار سے سند لاتے ہیں۔ کہیں رسالہ اکملی سے۔ کہیں اور اُتر کر اربعین میاں اسحٰق دہلوی سے۔ کہیں اور گھٹ کر ان کے کسی شاگرد کی عمدۃ التحریر سے۔ کہیں سب سے بدتر صراط مستقیم اسمٰعیل دہلوی سے۔ اُنہیں مجاہیل میں یہ آپ کی تہذیب الایمان ہو گی۔ جس

پر بعض اصحاب نے کہا۔ کہ آج تک تہذیب المنطق۔ تہذیب الکلام۔ تہذیب الاخلاق۔ تہذیب الآثار۔ تہذیب النحو سُنی تھی معلوم نہیں ان بزرگ کو ایمان میں کیا بے تہذیبی سوجھی۔ کہ اس کی تہذیب لکھی۔ آپ استناد کرتے وقت جب ایسوں کی تقلید تک اُتر آتے ہیں۔ تو مسئلہ نوٹ میں حضرت مولانا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ آپ کے سامنے تھا۔ اور وہ آپ کے اِن اکثر مستندین سے ہر طرح اعلیٰ واعلم وافضل واکمل تھے۔ کاش اس میں اُن کی تقلید فرما لیتے۔ تو جھگڑا چکتا۔ قولہ انما المحرم ان یقصد بالعقود الشرعیۃ غیر ما شرعھا اللہ لہ فیصیر مخادعا لدینہ کائدا لشرعہ۔ (اگر عقود شرعیہ سے ایسی چیز کا ارادہ کرتا ہو جو اللہ کی مشروع کردہ چیز کا غیر ہو تو، حرام ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ دھوکہ کرنے والا اور اُس کی شریعت کے ساتھ مکر کرنے والا ہوگا) **اقول**۔ یہ تو بالکل ہمارے موافق ہے۔ وہ حصر کرتا ہے کہ حیلہ وہی حرام ہے جس میں عقد شرعی سے اس کا مقصود شرعی مراد نہ ہو۔ یہ وہی صورت ہوئی۔ کہ بیع میں بیع دراہم کا نام بلا قصد مبادلہ محض بطور اسم فرضی لے۔ اس کی حرمت میں کیا کلام ہے۔ اور جب بیع سے حقیقۃً مبادلۂ ملک کا قصد کیا۔ تو یہی وہ مقصود شرعی ہے۔ جس کے لئے شرع نے اُسے مشروع فرمایا تو خود آپ کی اس سند کی رُو سے اس کی حرمت ناممکن۔ پھر نوٹ[۹۵] میں تو اس کو کچھ دخل ہی نہیں۔ نوٹ بیچنے خریدنے والے یقیناً یہی چاہتے ہیں کہ بائع کی ملک سے نوٹ خارج ہو کر مشتری کی ملک میں آئے۔ اور مشتری کی ملک سے روپے خارج ہو کر بائع کی ملک میں آئیں شرع نے بیع اسی لئے مشروع کی ہے۔ تو اسی عبارت کے حکم سے اُس کی حلت واجب۔ اگر کہیئے مراد یہ ہے کہ اُس نے تھوڑے روپوں کے بدلے زیادہ لینے چاہے۔ مگر روپے دے کر زیادہ روپے لیتا۔ تو سود ہوتا۔ اسی لئے نوٹ بیچ کر روپے لئے کہ جنس بدل جانے سے ربا جاتا رہے۔

اقول۔ تو کیا گناہ کیا۔ اُس نے گناہ سے بچنا ہی تو چاہا گناہ سے بچنے کی تدبیر بھی گناہ ہو۔ تو مفر کدھر۔ شرع نے بیع اس لئے مشروع فرمائی ہے کہ منہیات شرعیہ سے

بچ کر اپنا مطلب جائز طریقہ سے حاصل کر لو۔ وہی اس نے چاہا۔ تو مقصد شرعی کی پابندی کی۔ نہ کہ مخالفت۔ پھر حرمت کدھر سے آئی۔ **قولہ۔** فان مقصودہ حصول الذی حرم اللہ بتلک الحیلۃ او اسقاط ما اوجبہ انتہیٰ (بیشک اس کا مقصد اس حیلے کے ذریعے ایسی چیز کا حاصل کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا، یا ایسی چیز کا چھوڑنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دیا) **اقول[۹۶] اولاً** ۔ حرام سے مراد لازم الحرمۃ ہے۔ جس سے حرمت کبھی جدا نہ ہو۔ یا وہ جسے حرمت عارض منفک ہے۔ بر تقدیر اوّل اُسی لازم الحرمۃ کو اختیار کرے گا۔ یا اُس سے کسی امر جائز کی طرف عدول و فرار۔ پہلی صورت پر حیلہ ہی کب ہوا۔ صراحۃً حرام میں پڑنا ہوا۔ پھر اُس سے تحریم حیلہ کیوں لازم آئی۔ اور دوسری صورت میں شاید حرمت اس وجہ سے ہو گی۔ کہ حرام سے کیوں بچا۔ جائز کی طرف کیوں عدول کیا۔ بر تقدیر ثانی شکل وہ اختیار کرتا ہے۔ جس میں وہ عارض منفک منفک ہو جائے۔ اور شے حلال محض رہ جائے۔ یا وہ کہ عارض حرمت باقی رہے۔ صورت ثانیہ پھر حیلہ نہیں۔ اور اولیٰ پر حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

ثانیاً ۔ دُور کیوں جائیے۔ خود اپنی سنیئے۔ شراب حرام قطعی اور پیشاب کی طرح نجس بہ نجاست غلیظہ ہے۔ مسلمان کو اس کا بیچنا حرام۔ چھونا حرام۔ اس سے کسی طرح کا نفع لینا حرام۔ اب فرض کیجئے کہ ایک مسلمان کی ملک میں ہزار مٹکے شراب آئی۔ مثلاً یوں کہ اوّل نصرانی تھا۔ اب مسلمان ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا۔ کہ اتنا مال کثیر ضائع ہو جائے۔ اُس نے نمک ڈال کر سب کو سرکہ کر لیا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ یہ جائز و روا ہے۔ اپنے رسالہ نفحۃ المفتی میں دیکھئے۔ الانتفاع بالمحرم لا یجوز کذا[1] قال البرجندی فان قلت یشکل ھذا بالسرقین فانہ ینتفع بھا فی الایقاد قلت الانتفاع بالنجس بالاستھلاک جائز کاراقۃ الخمر وتخلیل الخمر وھذا کذالک

---

[1] الاصواب بہ

فیجوز اھ بالاختصار۔ (حرام چیز کے ساتھ نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ ایسے ہی برجندی نے کہا۔ پس اگر تو کہے کہ اس پر اشکال یہ ہوگا کہ گوبر کو جلا کر اُس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نجس کو تبدیل کر کے اُس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ مثلاً شراب کو پتلا کر کے اور شراب کو سرکہ میں تبدیل کر کے۔ اور یہ ایسے جائز ہے الخ) دیکھئے! اُس نے یہاں حرام خُدا کو کام ہی میں لانا چاہا۔ مگر یوں کہ حرام نہ رہا۔ پھر اس میں کیا حرج ہوا۔ **قولہ**۔ پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاءً جائز بھی ہو۔ لیکن دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ کسی طرح درست نہ ہوگا۔

مولوی صاحب کی آخری کروٹ

اقول۔ عجب کہ جو کاغذ کو کاغذ ہی جانے اور بوجہ عرف ثمن اصطلاحی مانے اور شرع مطہر سے یقیناً معلوم ہوا کہ اصطلاح عامہ کی پابندی اس پر لازم نہیں۔ وہ سو کے نوٹ کو روپوں سے کم وبیش پر بیچے۔ تو عند اللہ کسی طرح درست نہ ہو۔ اور جو اپنے زعم میں کاغذ کو ثمن خلقی کا عین مانے۔ اور اسے بعینہٖ چاندی سمجھے۔ وہ یہ ماشہ دو ماشہ بھر چاندی سیر پکی چاندی کو بیچے۔ اور سود نہ ہو۔ حلال طیب رہے۔ اس زبردستی کی کوئی حد ہے۔ خیر یہ تو پہلے معروض ہو چکا۔ مگر یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔ کہ اب مولوی صاحب ربا وشبہ ربا سے قطعی گزر گئے۔ علاوہ ازیں۔ کہہ کبر تو اُن کے لحاظ ہی سے گزرے تھے۔ اب یہ صورت لیتے ہیں۔ کہ کوئی وصف ایسا ہے ہی نہیں۔ جس میں ربا یا شبہ ربا ہو۔ ورنہ قضاءً جائز ہونا محال تھا۔ اور اس سے ظاہر کہ حکم عینیت کا تسمہ لگا نہ رکھا۔ ورنہ ربا یا شبہ ربا ہو کر دیانۃً قضاءً ہر طرح حرام ہونا لازم تھا۔ تو عینیت عرفیہ کا اگر نام لیا بھی جائے۔ محض اسم بے مسمّٰی ولفظ بے معنی ہوگا۔ کہ اس کا حکم واثر شرعی منتفی ہے۔ اور جب ایسا ہے۔ تو حقیقۃً وشرعاً غیریت محضہ رہی۔ اب خود ہی حاصل اُسی قدر ٹھہرا دیا۔ کہ کم روپیوں کا مال برضائے خریدار زیادہ کو بیچ لیا۔ کہئے اس میں کونسا خلاف دیانت ہے۔ **قولہ**۔ اسی وجہ سے کتب فقہ میں بیع عینہ اور شرا باقلّ مما باع وغیر ذلک کی ممانعت

مذکور ہے۔

اقول اوّلاً۔ الحمد للہ! اب تو آپ کنارے پر آیا چاہتے ہیں۔ جی ہاں۔ یہ بیع عینہ کے مثل ہے پھر بیع عینہ کو ہمارے ائمہ کرام نے کیا ٹھہرایا ہے۔ کیا ممنوع ناجائز حرام مکروہ تحریمی۔ حاشا ہرگز نہیں۔ یہ محض غلط و باطل ہے۔ بلکہ جائز حلال روا درست۔ غایت درجہ اس میں اختلاف ہوا۔ کہ خلاف اولیٰ بھی ہے۔ یا نہیں۔ ہمارے امام اعظم بلاکراہت مباح مانتے ہیں۔ امام ابو یوسف خود ثواب و مستحب جانتے ہیں۔ امام محمد احتیاط کے لئے صرف خلافِ اولیٰ ٹھہراتے ہیں۔ یہ تمام مباحث رسالہ میں صـــ وصـــ وصـــ تاصـــ وصـــ ۶۵ وصـــ ۶۷ بلکہ صـــ ۴۸ تاصـــ ۷۲ میں گزرے۔ اب تو اپنے ہی اقرار پر قائم رہ کر بول اٹھیئے۔ کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا امام اعظم کے نزدیک جائز و مباح۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اجر و ثواب۔ بلکہ امام محمد کے نزدیک صرف خلاف اولیٰ۔

ثانیاً۔ وہ خلافِ اولیٰ بھی اس لئے تھا۔ کہ اس وقت تک مسلمان سود کو سوئر سمجھتے تھے۔ اس کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ تو اس امر جائز کی عادت ڈالنے سے اندیشہ تھا۔ کہ مبادا آگے بڑھ جائیں۔ جیسا کہ اس کا بیان صـــ وصـــ وغیرہا پر گزرا۔ اب کہ علانیہ سود مسلمانوں میں رائج ہو گیا۔ جیتا نگلتے ہیں۔ اور شرمانا در کنار آنکھ تک نہیں جھپکاتے۔ تو انہیں ایک جائز بات بتانا جس سے اُن کا مقصود حاصل ہو۔ اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے بچیں عین خیر خواہی مسلمین ہے۔ اور اس میں ناحق کے شاخسانے نکالنا مسلمانوں کی صریح بد خواہی۔ ذرا انصاف درکار ہے کہ خود آپ کے اقرار سے صبح آشکار ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

ثالثاً۔ شراء ما باع باقل مما باع عند التحقیق ربح مالم یضمن کے سبب حرام ہے۔ یعنی جو چیز اپنی ضمان میں نہ آئی اس پر نفع لینا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ ظاہر ہے کہ قیمت جب تک ادا نہ ہوئی خود بائع کی ضمان پر باقی ہے۔ ہلاک ہو جائے۔ تو اس کی جائے مشتری پر اس کا اثر نہ ہو۔ ولہذا یہاں درہم و دینار ایک جنس ہیں کما فی الدر وغیرہ۔ حالانکہ باب ربا میں دو جنس ہیں کما فی

جمیع الکتب۔ ہاں ثمن اول وثانی ایک جنس ہو۔ تو شبہ ربا بھی ہے۔ بعض نے اسی سے مسئلہ کی تعلیل کی۔ یوں کہ اس نے ہزار کو چیز بیچی۔ اور ابھی قیمت وصول نہ ہوئی۔ ممکن تھا کہ عیب کے سبب واپس ہو کر ثمن نہ ملے۔ اب کہ خود اس سے پانچ سو کی خرید لی۔ احتمال سقوط ساقط ہو گیا۔ تو اس نے پانچ سو دے کر اپنے وہ ہزار پکے کر لئے۔ یوں شبہ ربا آیا۔ بہرحال ان وجوہ کو یہاں سے کیا علاقہ۔ آپ خواہی نخواہی اسی وجہ سے کہہ رہے ہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ من اشتری جاریۃ بالف درھم حالۃ او نسیئۃ فقبضھا ثم باعھا من البائع بخمسمائۃ قبل ان ینقد الثمن الاول لا یجوز البیع الثانی لان الثمن لم یدخل فی ضمانہ فاذا وصل الیہ المبیع ووقعت المقاصۃ بقی لہ فضل خمس مائۃ وذلک بلا عوض[۱]۔ فتح القدیر میں ہے۔ الذی عقل من معنی النھی انہ استربح مالیس فی ضمانہ ونھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ربح مالم یضمن وھذا لان الثمن لا یدخل فی ضمانہ قبل القبض[۲]۔ اسی میں ہے۔ وھذا احسن من تقریر قاضی خان اعتبار الشبھۃ بان الالف وھو الثمن الاول علی شرف السقوط لاحتمال ان یجد المشتری بھا عیبا فیردہ فیسقط الثمن عن المشتری وبالبیع الثانی یقع الامن عنہ فیکون البائع بالعقد الثانی مشتریا الفا بخمسمائۃ انتہی (جس شخص نے ایک ہزار روپے نقد یا اُدھار لونڈی خریدی۔ پھر لونڈی کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ اور پھر قیمت ادا کرنے سے پہلے پانچ سو روپے کے بدلے بائع ہی کو فروخت کر دی، تو دوسری بیع درست نہیں ہو گی اس لئے کہ قیمت بائع کے قبضے میں نہ ہوئی۔ پس جب بائع اوّل کے پاس مبیع پہنچ گئی اور مساویانہ تبادل ہو گیا تو اس کے لئے پانچ سو روپے بغیر کسی چیز کے بدلے باقی رہ جائیں گے۔ فتح القدیر

---

[۱] ہدایہ : باب بیع الفاسد (مطبع یوسفی لکھنؤ) ۲/۶۰

[۲] فتح القدیر ج ۵/۲۰۹ باب بیع الفاسد (بولاق مصر)

[۳] " ج ۵/۲۱۱ " " (بولاق مصر)

میں ہے۔ کہ نہی سے جو معنی سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے ذمہ داری لئے بغیر کسی چیز سے ربح حاصل کرنا جو چیز قبضے میں نہ ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز سے فائدہ اٹھانے سے منع فرمایا جو قبضے میں نہ ہو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے قیمت ملکیت نہیں ہوتی۔ اسی میں ہے کہ شبہ کے اعتبار میں قاضی خاں کی یہ تقریر بہت پسندیدہ ہے اس لئے کہ ہزار روپے جو پہلی قیمت ہے اس کے سقوط کا احتمال موجود ہے۔ کیونکہ مشتری مبیع میں کوئی عیب دیکھ لے تو اس کو واپس کردے گا تو مشتری سے قیمت ساقط ہو جائے گی۔ اور بیع ثانی اس خطرہ کو ختم کر دیتی ہے۔ دوسرے عقد میں بائع ہزار کو پانچ سو روپے کے بدلے میں خرید نے والا قرار پائے گا۔)

رابعًا وجہ محقق سے گزر کر دوسری ہی وجہ لیجئے۔ اور یہاں اُس کے عدم جریان سے بھی قطع نظر کیجئے۔ جب بھی آپ کو مفید نہیں۔ کہ اس وجہ پر علت حرمت شبہ ربا ہے۔ اور آپ ربا و شبہ ربا سے اُتر کر تیسری وجہ سے تحریم لے رہے ہیں۔ تو جہاں شبہ ربا ہے۔ اُس سے اس پر استناد کیونکر کر سکتے ہیں

خامسًا۔ آپ اسی وجہ سے کہہ کر دونوں مسئلوں میں علت حکم ایک بتا رہے ہیں۔ تو واجب تھا۔ کہ حکم بھی ایک ہوتا۔ کیا شراء ما باع باقل مما باع بھی صرف دیانۃً حرام ہے قضاءً جائز فافہم۔

سادسًا آپ نے سُنا ہو کہ یہ شراء باقل قیمت ادا ہونے کے بعد بلاشبہ جائز ہے مثلاً ایک چیز زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کو بیچی عمرو نے روپے ادا کر دیئے۔ پھر زید نے وہی چیز عمرو سے پانچ سو کو خرید لی کہ چیز کی چیز واپس آگئی اور پانچ سو مفت بچ رہے یہ جائز و حلال ہے۔ درمختار میں ہے: فسد شراء ما باع بالاقل قبل نقد الثمن وجاز بعد النقد[1] اھ ملتقطا۔ (خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا کرنے سے پہلے اس کو کم قیمت میں فروخت کرنا، بیع فاسد ہے۔ قیمت کی ادائیگی کے بعد درست ہے۔) آپ کی

---

[1] درمختار: جلد ۲ : /۲۶ : باب بیع الفاسد (مطبع مجتبائی دہلی)

وجہ پر قیمت ادا ہونے نہ ہونے سے کیا فرق ہوگیا۔ کم روپے دے کر زیادہ حاصل کرنے کا مقصود بہر حال موجود۔ مولوی صاحب مشکل یہ ہے کہ آپ اپنی تحقیق کے زور میں فقہ حنفی سے بے خبر ہیں۔ ورنہ آپ جیسے محقق پر ایسی باتیں مخفی نہ رہتیں۔

قولہ۔ اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حلت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے۔ **اقول اوّلاً**۔ احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حلت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے۔ دو بلکہ تین حدیثیں رسالہ کے صـ ۸۳ میں گزریں۔ اور ایک حدیث مؤطا یہاں مذکور ہوئی

ثانیاً۔ خود آیۂ کریمہ جواز پر شاہد ہے کہ صـ ۸۳ پر تلاوت ہوئی۔ فتاوٰی ذخیرہ وفتاوٰی ہندیہ میں ہے۔ الاصل فی جواز ھذا النوع من الحیل قول اللہ تعالٰے وخذ بیدك ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث وھذا تعلیم المخرج لایوب النبی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام عن یمینہ التی حلف لیضربن امرأتہ مائۃ عود وعامۃ المشائخ علی ان حکمھا لیس بمنسوخ وھو الصحیح من المذھب[1] (اس طرح کے حیلے جائز ہونے کی اصل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے۔ کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر مار دو اور قسم نہ توڑو۔ حضرت ایوب نبی اللہ علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنی زوجہ مقدسہ کی نسبت قسم کھائی تھی۔ کہ سو لکڑیاں ماریں گے۔ یہ اللہ عزوجل نے اُس قسم سے عہدہ برآئی کا طریقہ تعلیم فرمادیا (کہ قسم بھی پوری ہو جائے۔ اور ایذا بھی نہ پہنچے) اور عام مشائخ کرام فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہی صحیح مذہب حنفی ہے) **قولہ**۔ اگر یہ شبہ ہو کہ نوٹ ہر گاہ ثمن خلقی نہیں ہے۔ پس حکم اس کا بعینہٖ کیونکر ہو سکتا ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ عرفاً وہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔ اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے لاجرم باب تفاضل میں اسی کا اعتبار ہوگا لاسیما دیانۃ فانھا متعلقۃ بالمقاصد وان کانت

---

[1] فتاوٰی عالمگیری : جلد ۵ / ۳۹۰ : الفصل الاول فی جواز الحیل وعدم جوازھا (نورانی کتب خانہ پشاور)

خفیۃ۔

اقول اوّلاً۔ یہ ہر گاہ اور چونکہ ہر گاہ میں گزر چکیں اگر پہلا بیان صحیح تھا تو شبہ وہیں دفع ہو چکا۔ پھر "اگر یہ شبہ ہو" کا محل کیا۔ اور غلط تھا تو اب بھی تو وہی جواب دیا ہے۔ اب کیوں صحیح ہو گیا بات وہی ہے۔ کہ لے دیکر ایک یہی شبہ آپ کے ہاتھ میں ہے بار بار بتکرار اُس کا اعادہ فرماتے ہیں۔ کہ معنی نہ سہی عبارت تو وزنی ہو جائے۔ ہاں یہاں تمام مقاصد کا لفظ زائد فرمایا ہے۔ جس کا صاف ابطال اوپر گزرا۔ اور کشفِ شبہ بھی بروجہ اتم کر دیا گیا۔ اور یہ بھی سمجھا دیا گیا۔ کہ بہت اچھا باب تفاضل میں اسی کا اعتبار کیجیے۔ تو تفاضل فی القدر حرام مانیئے۔ اور خود اپنی ذات گرامی کو سود حلال کرنے والی جانیئے۔ مگر جناب تو اپنی ایک دُھن میں کسی کی سنتے ہی نہیں

ثانیاً۔ ہاں ایک لاسیما یہاں اور بڑھائی ہے۔ یعنی جب نوٹ سے تمام مقاصدِ ثمن متعلق ہیں۔ اور دیانت میں نظر مقاصد پر ہی ہے اگرچہ خفی ہوں۔ نہ صورت پر۔ تو کاغذ اور چاندی کا فرق صورت نہ دیکھا جائے گا۔ مقاصد میں دونوں ثمن خلقی ہیں۔ اس پر نظر ہو گی۔ اور حرمت لازم۔

اقول بجا ہے پھر ایک اشرفی کو ایک روپیہ کیسے حلال ہو گیا۔ وہ تو نہ صرف مقاصد بلکہ اصل حقیقت میں ثمن خلقی ہیں۔ اور مقاصد میں بھی پندرہ روپے اور ایک پونڈ میں کچھ فرق نہیں سمجھا جاتا۔

ثالثاً۔ حل کردوں۔ آپ مقاصدِ شرعیہ و اغراض انسانیہ میں فرق نہ سمجھے۔ مقاصد شرع وہ ہیں جن پر صحت و فساد و حلت و حرمت کا مدار ہے۔ اور اغراض انسانیہ وہ نتائج کہ اُن کے نزدیک اُنہیں حاصل ہوں۔ مقاصد باختلاف عقود مختلف ہو جاتے ہیں۔ اور نتائج بارہا عقود متباینہ میں متحد رہتے ہیں۔ مثلاً زید اپنا نصف مکان قابلِ قسمت بلاتقسیم اپنے شریک مساوی کو ہبہ کر کے اپنا قبضہ اٹھالے کہ سارا مکان قبض و تصرف شریک میں رہے۔ یا اُس کے ہاتھ بیچ کر ثمن اس کو معاف کر دے۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ واحد ہے۔ انسانی غرض اُن میں فرق نہیں کرتی۔ مگر مقصدِ شرعی کا اتنا اختلافِ شدید ہے۔ کہ پہلی صورت فاسد و حرام۔ اور دوسری

صحیح وحلال۔ یوہیں اگر کوئی شخص دس کے پندرہ لینا چاہے۔ اب دس روپوں کو خواہ پندرہ روپوں کے عوض بیچے۔ خواہ ایک ساوزن کے بدلے اس کی غرض دونوں طرح بلاتفاوت حاصل ہے۔ مگر مقاصد شرعیہ اتنے مختلف ہیں۔ کہ صورت اولیٰ سود ربا گناہ کبیرہ حرام قطعی موجب دخول نار۔ اور دوسری شکل درست صحیح حلال بے وابے اعتراض بلاانکار۔ نوٹ سے اگر اغراض انسانیہ ثمن خلقی کی طرح بلاتفاوت متعلق ہوں۔ تو اس سے احکام ومقاصد شرعیہ میں اتحاد سمجھ لینا کیسی سخت نادانی ہے۔ احسان تو نہ مانئے گا کہ کیسے کیسے جواہر زواہر میرا قلم جناب کے قلب پر القا کرتا ہے۔ انصاف کیجئے۔ تو ایک یہی نکتہ آپ کی ساری عرق ریزی کا علاج کافی ووافی ہے۔ وللہ الحمد۔

رابعًا۔ ایک ذرا اور بھی انصاف کی سہی۔ آپ تو کمال مقاصد شناس دیانت پرور ہیں۔ اسی جلد دوم کے فتویٰ نمبری ۹۷ میں جو بایں خلاصہ تحریر ہے: خرید کرنا مال کفار سے بایں طور کہ نقد روپیہ ادا کرے۔ تو پوری قیمت معینہ دے۔ اور بعد ایک یا دو تین مہینے کے ادا کرے۔ تو فی سیکڑا تین روپے فی ماہ زیادہ اس قیمت معینہ سے دینا ہوگا۔ یہ فی الحقیقت بیان ہے نرخ مال کا یعنی نقد خریدے۔ تو مثلاً سو روپے قیمت دے۔ بعد ایک یا دو یا سہ ماہ کے ادا کرے۔ تو قیمت ایک سو تین یا چھ یا نو دے۔ پس یہ عقد عق خریدار میں جائز ہے۔ اور زیادت ثمن کی فی سیکڑہ تین روپے ہر ماہ میں اس میں بھی خریدار کو شرعًا کوئی قباحت نہیں۔ اور درمیان میعاد مذکورہ کے قیمت ادا کرے۔ تو بائع کو اختیار ہے۔ چاہے لے چاہے علی المیعاد لے۔ اس واسطے کہ رجوع اس کا جانب بائع سے طرف حط بعض قیمت کے اور جانب خریدار سے طرف حط اجل کے ہوگا۔ اور ان دونوں میں شرعًا کوئی قباحت نہیں، صح الجواب واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحئی عفی عنہ۔

ذرا فرمائیے تو یہ تین روپے سیکڑا ہر مہینے پیچھے بڑھانے کا مقصد سوا سود کے کیا ہے۔ خصوصًا وہ بھی کفار کی طرف سے جو بغیر سود کبھی ٹکڑا نہیں توڑتے۔ اور سود کا لینا دینا دونوں قطعی حرام ہیں۔ دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ اسے آپ نے کیا سمجھ کر حلال کر دیا۔ اور بلا دغدغہ صح الجواب جڑ

دیا۔ پھر ائمہ کرام کی صاف تصریح ہے۔ کہ اگرچہ قرضوں بیچنے میں نقد سے قیمت زائد لینا جائز ہے۔ والاجل یقابله قسط من الثمن مگر ایک بات قطع ہونا لازم اس طور پر بیع کہ بحال نقد اتنے پر بیچی۔ اور بصورت فلاں میعاد اتنے پر یہ حرام وفاسد ہے۔ فتح القدیر میں ہے: لابد ان یکون الاجل معلوما ون جہالۃ تفضی الی المنازعۃ فی التسلم والتسلیم وعلی کل ذلک انعقد الاجماع واما البطلان فیما اذا قال بعتکہ بالف حالا وبالفین الی سنۃ فلجہالۃ الثمن۔[1] (بیع کے لئے مدت کا تعین ہونا ضروری ہے اس لئے عدم تعیین کی صورت میں قیمت لینے دینے میں جھگڑے کا اندیشہ ہے۔ اس تمام گفتگو پر (مسائل مذکورہ پر) اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں جب کہ کوئی شخص دوسرے کو یہ کہے کہ میں نے تجھے فلاں چیز نقد ایک ہزار کی اور ایک سال تک ادھار کے لئے دو ہزار کی بطلان کا سبب، ثمن کی جہالت یعنی عدم تعیین ہے) پھر اس سے بھی قطع نظر ہو۔ تو خود اجل میں تردید ہے۔ یہ خود مفسد ہے۔ اگرچہ نقد و اجل کی تردید نہ ہو۔ اور صرف دو ہی شقیں مفسد ہیں۔ یہاں تو تین ہیں۔ کہ ایک مہینہ میں دے۔ تو یہ قیمت۔ اور دو میں یہ اور تین میں یہ۔ فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیری میں ہے: رجل باع علی انه بالنقد بکذا او بالنسیئۃ بکذا ان الی شہر بکذا او الی شہرین بکذا لم یجز۔[2] (ایک شخص نے اس طریقے سے بیع کی کہ فلاں چیز نقد میں اتنے کی، یا اُدھار میں اتنے کی، یا ایک مہینے تک اتنے کی۔ اور یا دو مہینوں تک اتنے کی، تو بیع جائز نہیں ہوگی) عجب کہ آپ نے حرام در حرام طرح طرح کے حرام کو کیسے حلال کر دیا۔ پھر بین المیعاد ثمن قبول کر لینے کو بائع کی طرف سے بعض ثمن کا حط قرار دینا کس قدر عجیب ہے۔ کم میعاد پر اتنا ہی ثمن ٹھہرا تھا۔ اس نے کم کیا گیا۔ پھر اگر مشتری تین مہینہ کے اندر روپیہ دے تو بائع کو اختیار دینا کہ قبول نہ کرے۔ جب تک

---

[1] فتح القدیر: کتاب البیوع (بولاق مصر) ۸۴/۵۔

[2] فتاوٰی خلاصہ الجنس الاول فیما یتعلق بالثمن من البیوع (نولکشور لکھنؤ) ۶۰/۳

پوری میعاد گزر کر سود کا پیٹ پورا نہ بھر جائے۔ سب سے عجیب تر ہے۔ میعاد تو خالص حق مشتری ہے۔ کتب ائمہ میں تصریح ہے۔ کہ مدیون میعاد سے پہلے دین ادا کرے۔ تو دائن کو جبراً قبول کرنا ہوگا۔ اشباہ میں ہے: الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حلول الاجل یجبر الطالب علی تسلمہ لان الاجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ ھکذا ذکر الزیلعی فی الکفالۃ وھی ایضا فی الخانیۃ والنھایۃ[۱] (وقت مقررہ سے پہلے اگر مقروض قرض ادا کرنا چاہے، تو قرض خواہ کو اس کی وصولی کے لئے مجبور کیا جائے گا۔ اس لئے کہ مدت مقروض کا حق تھا اس کو حق حاصل ہے کہ اسے ساقط کردے۔ ایسے ہی امام زیلعی نے کفائیہ میں لکھا ہے۔ نیز یہ مسئلہ تتارخانیہ اور نہایہ میں بھی ہے) خیر یہ چار تو جملہ معترضہ تھے۔ اب ذرا مقاصد شناسی کی خبریں کہئے۔ ایک مقلد عالم سے بھی ایسی لغزش ضرور تعجب خیز ہے۔ مگر وہ گرانمایہ اجتہاد پایہ محقق کہ امام اعظم کے ارشادات پر کھنے کا ادعار کھے۔ اس سے ایک اپنے معاصر مقلد کی ایسی جامد تقلید کے ساتھ سخت نمونۂ قیامت ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ مولوی عالم علی صاحب مرادآبادی نے براہِ خطا صریح دودھ کے چچا کو بھتیجی حلال لکھ دی۔ خیر وہ تو لکھ گئے۔ اب فتویٰ پہنچا دہلی۔ امام غیر مقلدان مولوی نذیر حسین صاحب نے بھی بے دھڑک الجواب صحیح لکھ کر اس پر مہر چپکا دی۔ اور اپنے اہالی موالی سب کی لگا دیں۔ فتویٰ یہاں آیا۔ فقیر نے تحریم کا حکم دیا۔ اور بعض طلبہ نے مجتہد صاحب کی مزاج پرسی کی۔ اب غیر مقلدوں کی آنکھیں کھلیں۔ سوتے سے جاگے۔ محدث جی کو بخاری و مسلم کی حدیثیں سوجھائے سے سوجھیں۔ اور دوسرا فتویٰ حرمت پر لکھا۔ اور پہلے فتویٰ کا یہ عذر بدتر از گناہ پیش کیا۔ کہ قبل ازیں بر فتوائے مولوی عالم علی صاحب کہ در حلت آں نوشتہ بودند۔ براعتمادِ ایشاں بنظرِ سرسری مہر من کردہ باشد۔ حلال و حرام خصوصاً معاملۂ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بد دیانتی اور آتش جہنم پر سخت جرأت و بیباکی کا کھلا اقرار ہے۔ حدیث

---

[۱] الاشباہ والنظائر، جلد ۲ / ۹ - ۴۸ : مطبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار۔ خیر یہ تو غیر مقلدی کے لئے لازم بین ہے۔ مگر براعتماد ایشاں نے ان کے اجتہاد کی جان پر پوری قیامت توڑ دی۔ اے سبحان اللہ مجتہدی کا دعویٰ اور ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مقلد پر حلال وحرام میں یہ تکیہ بھروسا۔ اور اس کردہ شدہ کے لطف کو تو دیکھئے۔ کیا شرمایا ہوا صیغۂ مجہول ہے۔ گویا انہوں نے خود اس پر مُہر نہ کی۔ کوئی اور کر گیا۔ اللہ تعالیٰ یوں اپنی نشانیاں دکھاتا اور ائمہ کے مقابلہ کا مزہ چکھاتا ہے۔ نسئال اللہ العفو والعافیۃ۔ **قولہ**۔ باقی رہا قول فتح القدیر کا لو باع کاغذۃ بالف یجوز[1] انتہی۔

اقول انتہی نہیں۔ اس کے بعد ولا یکرہ بھی ہے۔ اور خود میرا فتویٰ آپ کے پیشِ نظر ہے۔ اس میں بھی منقول یعنی کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں اصلاً کراہت بھی نہیں۔ اسے پردۂ انتہیٰ میں نہ چھپایئے۔ یہ بہت کام کی چیز ہے۔ آپ کو یہ لایکرہ مکروہ لگتا تھا۔ تو محقق کی شان یہ تھی۔ کہ اسے نقل کرکے رد فرماتے۔ آخر امام ابن الہمام اور ان کے ساتھ علمائے کرام جنہوں نے اس لایکرہ کی تصریح فرمائی۔ امام الائمہ امام اعظم سے تو اعظم نہ تھے۔ یہ نہ ہوسکا تھا۔ اور اس کا نقل کرنا ناگوار تھا۔ تو الیٰ آخرہٖ لکھ دیا ہوتا۔ یہ بھی نہ سہی یجوز تک نقل کرکے یوہیں چھوڑ دیا ہوتا۔ کہ اخفائے ظاہر کا الزام تو نہ آتا۔ انتہیٰ نے تو موضع تہمت میں غلط بیانی کی۔ یہ جناب کی شان سے بعید واقع ہوئی۔ **قولہ**۔ پس مراد اس کی یہ کاغذ نہیں کہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا کیونکہ اُس کا وجود اُن زمانوں میں نہ تھا بلکہ سادہ کاغذ۔

اقول اوّلاً۔ عینیت تو بارہا گھر تک پہنچادی گئی۔ اس کی آڑ تو چھوڑیئے۔ اور اب فرمایئے کہ نوٹ اور اس پرچۂ کاغذ میں وجہ فرق کیا ہے۔ سادہ پرچہ تو ہزار روپے کو بک سکے۔ مگر جس پر پانچ روپے کا لفظ و ہندسہ لکھ دیا۔ وہ پانچ سے زیادہ کو بیچنا حرام ہو جائے۔ بڑی

---

[1] ردالمحتار: جلد۴ / ۳۱۰: مطلب بیع العینۃ (مطبع مصطفےٰ البابی مصر)

منحوس گھڑی سے چھاپا تھا۔ کہ چھپتے ہی نوسو پچانوے اُڑ گئے۔

ثانیاً۔ عینیت کے جو قاہر رد ہوئے۔ انہیں جانے دیجئے۔ تو آپ خود اپنے تنزل اخیر میں اُس سے یکسر گزر چکے ہیں۔ مہربانی فرما کر اپنی اس اخیر تقدیر پہ فرق کی تقریر سنا دیجئے۔ جی ہاں سادہ کاغذ ہزار کو بیچنا جائز بتایا ہے۔ اور کیسا کاغذ ناجائز ہے۔ ذرا بتائیے۔

ثالثاً۔ صاف انصاف تو یہ ہے کہ علماء نے مطلق کاغذ فرمایا ہے جو سادہ اور لکھے قلمی اور چھپے نوٹ اور غیر نوٹ سب کو شامل ہے۔ یہ سادگی تو آپ کی زیادت ہے۔ اور مطلق کا کوئی مقید نیا پیدا ہو۔ تو صرف اس بنا پر اُسے حکم مطلق سے اخراج سراسر خلافِ فقاہت ہے۔ ہزار ہا حوادث نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اور تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ اُن کے احکام اطلاقات ائمہ کرام سے لئے جاتے ہیں۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ چیزیں اُس زمانے میں کب تھیں۔ لہٰذا یہ اُن کی مراد و زیر حکم نہیں۔

رابعاً۔ سنئے تو جناب نے اس جرم پر کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں۔ بیچارے نوٹ کو قصد بیع کے قابل نہ سمجھا۔ بلکہ خود سو روپے بیچنا مقصود بتایا تھا۔ اب یہ سادہ پرچہ کہ دھیلے چھدام کا بھی نہیں۔ یہ کیسے ہزار روپے کو بکنے لگا۔ یہاں کون سے روپے لائیے گا۔ جن کا بیچنا مقصود بنائیے گا۔ ایک محقق کو لکھتے وقت خود اپنے آگے پیچھے کا خیال تو رہے۔ نہ یہ کہ ایک ہی صفحہ میں نسی ما قدمت یداہ۔

خامساً۔ جناب نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ امام ابن الہمام نے یہ یجوز ولا یکرہ بلا کراہت جائز ہے۔ کس بحث میں فرمایا ہے۔ بیع عینہ کی بحث میں۔ اب وہ بیع عینہ کی ممانعت کدھر گئی۔ یہ تو پانچ ہی سطر میں نسی ما قدمت یداہ ہو گیا۔ کیا اسی دن کے لئے جناب نے لا یکرہ چھوڑ کر انتہٰی لکھ دی تھی۔ اب تو کہہ دیجئے۔ کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں کراہت بھی نہیں تھی۔ آپ کی اسی انتہٰی پر انتہا کروں۔ کہ ردو اعتراض کا عدد بفضلہٖ تعالیٰ ایک سو بیس تک تو پہنچ گیا۔ وللہ الحمد قولہ۔ ھذا ما سنح لی

لہ القرآن ۴/۲۹

اقول۔ ای من دون دلیل و ما یلی لا خفی ولا جلی قولہ واللہ اعلم بالصواب
وعندہ ام الکتاب اقول ھو المصوب سے یہاں تک فتویٰ بھر میں ایک یہ جملہ
حق و بجا ہے۔ "بیشک اللہ عزوجل اعلم بالصواب ہے اور اسی کے پاس امّ الکتاب ہے"
اور اسی ام الکتاب میں یہ پاک خطاب ہے۔ جس سے بیع مذکور برضائے عاقدین کا جواز
بے حجاب ہے۔ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ اللّٰھم ربنا ارض عنا بکرمك
ومنّك ورأفة حبيبك محمد صلى الله تعالىٰ عليه واله وسلم و وفقنا لتجارة لن
تبور یا عزیز یا غفار اٰمین والحمد للہ رب العالمین وافضل الصلوٰۃ واکمل
السلام علی سید المرسلین محمد واله وصحبه اجمعين امين سبحانك
اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك سبحن ربك
رب العزة عما يصفون وسلم على المرسلين والحمد لله رب العلمين۔
(میرے لئے یہ ظاہر ہوا۔ اقول میں کہتا ہوں! یعنی بغیر دلیل کے اور جو چیز اُس کے
متصل ہے وہ نہ ظاہر ہے اور نہ پوشیدہ۔ قولہ واللہ اعلم بالصواب یعنی اللہ۔ مگر ایسی
تجارت ہو جو تمہاری مرضی کے مطابق ہو۔ اے اللہ! اے ہمارے پروردگار اپنی بخشش،
اپنے احسان اور اپنے حبیب سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی کی وجہ سے ہم
سے راضی ہوجا۔ تو ہمیں ایسی تجارت کی توفیق عطا فرما جو کبھی ختم ہونے والی نہ ہو۔ اے
غالب! اے بخشش فرمانے والے! ہماری دعا قبول فرما۔ اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے
ہیں جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ بہترین درود اور بہترین سلام رسولوں کے سردار حضرت
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی آل واولاد اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر نازل
ہو۔ (اے اللہ!) تو دعا قبول کرلے۔ اے اللہ! تو پاک ہے۔ تیری حمد کے ساتھ میں اس بات

کی گواہی دیتا ہوں کہ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں ہے۔ میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے اور عزت کی مالک ہے ایسی چیز سے جس کو لوگ بیان کرتے ہیں۔ اور سلامتی نازل فرما رسولوں علیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر۔ اور تمام تعریفیں تمام جہانوں کے مالک کے لئے ہیں)

الحمدللہ کلام اپنے منتہیٰ کو پہنچا۔ اور تحقیقِ مسئلہ ذروۂ اعلیٰ کو تیس سال ہوئے کہ اس کا سوال فقیر سے ہوا۔ اور مسئلہ بالکل حادث تازہ۔ اور اپنی بے بضاعتی کا خوف واندیشہ لہذا آغازِ جواب ان لفظوں سے کیا۔ ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا۔ فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلاً نہ تھا۔ کہ ان کے کلام میں اس کا جزئیہ بالتصریح پایا جائے۔ مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے۔ نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور عدمِ جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور انتہا ان لفظوں پر کہ ھذا ما ظھر لی واللّٰہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔ پھر بفضل ربِّ قدیر عز جلالہ، برابر اُس کے مؤیدات ظاہر ہوتے رہے۔

مؤید اوّل۔ محرم ۱۳۲۴ھ میں مکہ معظمہ کے دو علمائے کرام مولانا عبداللہ احمد میرداد امام مسجد اکرام اور اُن کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جدّادی داما بالاکرام نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقرے سے کیا جس کے جواب میں بفضل وہاب عز جلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ کفل الفقیہ وہیں لکھ دیا۔ پہلا فتویٰ ایک خفیف ساعت کی نظر تھا یہ رسالہ بفضلہٖ تعالیٰ پہروں کا خوض کامل۔ جہاں تک غور کیا۔ وہی رنگ کھلتا گیا۔ اور کوئی شک سدِ راہ نہ ہوا۔ یہ نظر اولیں کا پہلا مؤید تھا۔

مؤید دوم۔ اس سے پہلے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب چھپ کر زیرِ نظر آچکا تھا رسالہ میں اس پر بھی خوض تمام کیا اور نظر انصاف نے وہی حکم صاف دیا۔ یہ دوسرا مؤید اقویٰ ہوا۔ کہ ایک ذکی طباع عالم کی دلیل خلاف آگے رکھ کر تنقیح کامل کی۔ اور اُس کی بے اثری ظاہر ہوئی۔

مؤید سوم۔ مکہ معظمہ کے اجلّۂ علمائے کرام ومفتیان عظام نے کفل الفقیہ کو

ملاحظہ فرمایا۔ پڑھوا کر سُنا۔ اس کی نقلیں لیں اور بحمد اللہ سب نے یک زبان مدحیں کیں۔ جیسے حضرت شیخ الائمہ والخطباء کبیر العلماء حضرت مولانا احمد ابوالخیر مرداد حنفی حضرت عالم العلماء مفتی سابق و قاضی حال علامہ مولانا شیخ صالح کمال حنفی۔ حضرت مولانا حافظ کتب الحرم فاضل سید اسمٰعیل خلیل حنفی۔ حضرت مولانا مفتی حنفیہ عبد اللہ صدیق حفظہم اللہ تعالیٰ۔ ان فاضل جلیل نے کہ اس وقت یہی جانب سلطانی سے افتائے مذہب حنفی کے عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے۔ کتب خانۂ حرم محترم میں کفل الفقیہ رکھا۔ دیکھ کر بطور خود مطالعہ فرمانا شروع کیا۔ فقیر بھی حاضر تھا۔ مگر اُن سے کوئی تعارُف نہ تھا۔ نہ اس سے پہلے میں نے اُن کو۔ نہ انہوں نے مجھ کو دیکھا حضرت مولانا سید اسمٰعیل افندی اور ان کے بھائی سید مصطفٰی افندی وغیر ہما بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت مفتی حنفیہ نے رسالہ مطالعہ کرتے کرتے دفعۃً تعجب کے ساتھ اپنے زانو پر ہاتھ مارا۔ اور فرمایا: این کان الشیخ جمال بن عبد اللہ بن عمر من ھذا البیان اولفظا ھذا معناہ۔ (شیخ جمال بن عبد اللہ بن عمر سے یہ مضمون کیسے اوجھل رہا) حضرت مفتی اعلم مکہ معظمہ مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ سند حدیث وفقہ میں اس فقیر کے استاذ الاستاذ ہیں۔ اور اپنے زمانۂ مبارک میں وہی مفتی حنفیہ تھے۔ اُس جناب رفیع سے نوٹ کے بارے میں استفتاء ہوا تھا۔ حضرت ممدوح قدس سرہٗ نے علمائے ربانی کی جو شان ہے۔ اس کے مطابق صرف اتنا تحریر فرما دیا کہ: العلم امانۃ فی اعناق العلماء واللہ تعالیٰ اعلم (علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے واللہ تعالیٰ اعلم) یعنی کچھ جواب عطا نہ فرمایا۔ حنفیہ کے مفتی حال نے اس واقعہ کی طرف اشارا کیا۔ کہ حضرت ممدوح قدس سرہٗ کا ذہن مبارک ان دلائل کو کیوں نہ پہنچا۔ جو اس رسالہ کا مصنف لکھ رہا ہے۔ حضرت مولانا سید اسمٰعیل آفندی نے تقریب فرمائی۔ کہ مصنف رسالہ یہ موجود ہے حضرت مفتی حنفیہ نہایت کرم واکرام سے ملے اور بہت دیر تک بفضلہٖ تعالیٰ علمی تذکروں کی مجلس گرم رہی۔ ان تمام حضرات علماء کے مدائح وقبول کیسے مؤید جلیل ہوئے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

مؤید چہارم۔ اب کہ کفل الفقیہ دوبارہ مع ترجمہ چھپا مولوی گنگوہی صاحب

کا فتویٰ نظر پڑا۔ اس کی طرف توجہ کی۔ اور ساتھ ہی چاہا۔ کہ فتوائے جناب مولوی لکھنوی صاحب پر بھی مستقل نظر ہو جائے خیال تھا کہ مباحث تو رسالے ہی میں تمام ہو چکے ہیں۔ غایت درجہ چھ ورق بس ہوں گے۔ مگر فیضِ قدیر سے اضافۂ مضامین کی لگاتار بارش ہوئی۔ اور قلم روکتے روکتے چھ ورق کی جگہ تین جزء کا رسالہ ہو گیا۔ جس نے دونوں کلام مخالف میں کوئی فقرہ نہ لگا رکھا۔ یہ بحمد اللہ تعالیٰ اور بھی قوی تر مؤید عظیم ہوا۔ رائیں ملنے سے علم پختگی پاتے ہیں۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ذی رائے حضرات موافقت فرمائیں۔ دوسری یہ کہ خلاف کرنے والوں کی انتہائی کوششیں سن لی جائیں۔ اور باطل و بے اثر ثابت ہوں۔ یہ پہلی صورت سے بھی اقویٰ ہے۔ کہ جب مخالفانہ کوششیں اثبات خلاف میں عرق ریزی کر کے ناکام رہیں واضح ہو جاتا ہے۔ کہ بحمد اللہ تعالیٰ مسئلہ حق ہے۔ اور خلاف کی طرف راہ مسدود۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس مسئلہ نے دونوں قسم سے حظ وافی پایا۔ بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے۔ آسمانِ فیض مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متواتر تائیدوں کا نزول ظاہر ہے۔ وللہ الحمد باایں ہمہ حاشا نہ فقیر مجتہد ہے۔ نہ ائمہ مجتہدین کے ادنیٰ غلاموں کا پاسنگ ان کی خاکِ نعل کے برابر بھی مونھ نہیں رکھتا۔ نہ معاذ اللہ شرع الٰہی میں اپنی عقلِ قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا۔ اس فتویٰ اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جہد المقل ہے۔ یعنی ایک بینوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش۔ اگر حق ہے تو محض میرے مولیٰ پھر اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرم ہے اور اسی کے وجہ کریم کے لئے حمد ہے اور اُس کے فضل سے امید ہے کہ ان شاء اللہ الکریم ضرور حق ہے۔ اُس کے گھر کی برکات نکشا اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرم جانفزا نے اپنے گدائے بیقدر پہ یہ فیضان کئے ہیں۔ ورنہ کہاں یہ عاجز اور کہاں ڈیڑھ دن سے کم میں یہ رسالہ تصنیف کر دینا۔ پھر اُس کے شہر کریم کے اکابر علمائے کرام نے اس درجہ پسند فرمایا۔ یہ بفضلہٖ عزوجل سب آثارِ قبول ہیں۔ اور اگر شاید یہاں علمِ الٰہی میں کوئی دقیقہ ایسا ہے جس تک نہ میری نظر پہنچی نہ اُن علمائے کرام بلد اللہ الحرام کی۔ تو میں اپنے رب عزّوجل کی طرف انابت کرتا اور ہر مسئلہ میں اس پہ اعتقاد رکھتا ہوں جو اس کے نزدیک حق ہے۔ اور وہ کہتا ہوں جو

میرے امام اعظم کے امام اعظم حضور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عنہ نے فرمایا۔ فان یک صوابا فمن اللہ تعالیٰ و ان یک خطأ فمنی و من الشیطان و اللہ ورسولہ بریئان و اقول کما قال ابونا ادم علی نبینا الکریم وعلیہ افضل الصلاۃ و التسلیم۔ اللھم انک تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی و تعلم حاجتی فاعطنی سؤلی وتعلم ما فی نفسی فاغفرلی ذنوبی وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وبارک وسلم ابدا ابدا۔ واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔ سبحنک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک قالہ **فقیر احمد رضا** القادری البرکاتی البریلوی غفراللہ تعالیٰ لہ وحقق املہ واصلح عملہ والحمد للہ والصلاۃ والسلام علی مصطفاہ اخر کل کلامہ واولہ امین۔

(اگر کوئی چیز صحیح ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اگر غلط ہو تو وہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، بری ہیں۔ اور میں ایسے ہی کہتا ہوں جیسے ہمارے باپ، ہمارے نبی محترم حضرت آدم اُن پر بہترین درود اور سلام نازل ہو، نے کہا۔ اے اللہ! بیشک تو میرے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے، بس تو میرے عذر کو قبول فرما۔ اور تو میری ضرورت کو جانتا ہے، پس جو چیز میں نے مانگی وہ عنایت فرمادے۔ اور جو کچھ میرے دل میں ہے تو جانتا ہے، پس میرے گناہ معاف کردے۔ اور درود بھیج ہمارے سردار، ہمارے آقا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی آل، آپ کے صحابہ، آپ کی اولاد اور آپ کی جماعت پر۔ برکت اور سلامتی ہمیشہ (اُن پر) فرما۔ ہمارا آخری دعویٰ یہی ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا مالک ہے، کے لئے ہیں۔ اے اللہ! تو پاک ہے۔ اور تیری حمد بیان کرتے ہوئے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں ہے۔ میں تجھ سے بخشش

مانگتا ہوں اور تیری ہی طرف رجوع لاتا ہوں۔ مذکورہ گفتگو فقیر احمد رضا القادری
البرکاتی البریلوی اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمائے، اُس کی اُمید کو یقینی
بنائے اور اس کے اعمال کی اصلاح کرے، نے کہی۔ اور تمام
تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ درود اور سلام اُس کے
خاص برگزیدہ بندے (صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداء کلام
اور انتہائے کلام کے وقت
نازل ہو: (آمین)